افکارِ باقر

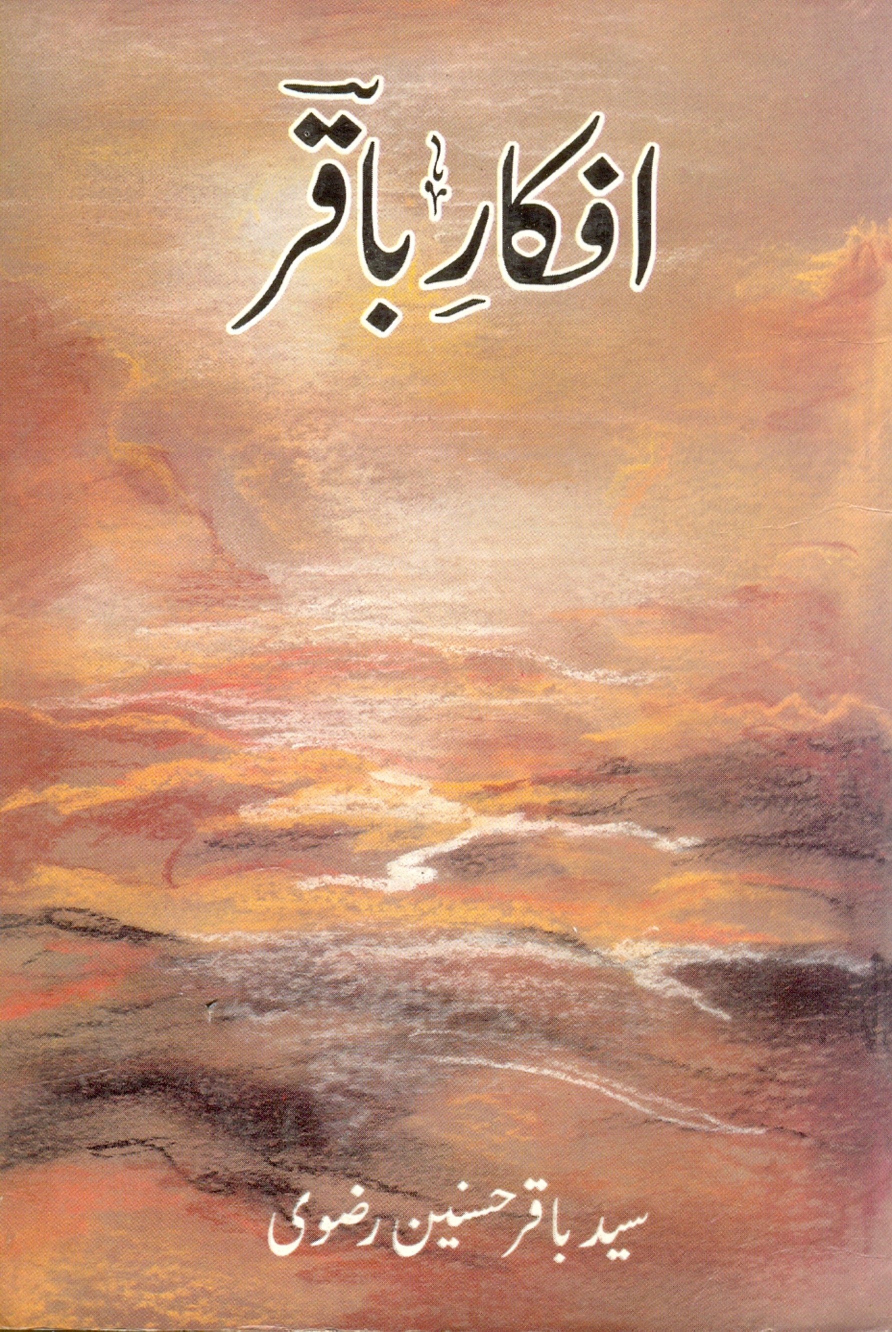

سید باقر حسنین رضوی

افکارِ باقر

تعارف : از سید علی حیدر رضوی
تاثرات : از سید اطہر حسین رضوی
قطعہ تاریخ : از سید اطہر حسنین رضوی
قطعات و رباعیات
سلام
غزلیں اور نظمیں

سید علی حیدر ایڈووکیٹ

ے میں بعد مرگ بھی بزم وفا میں زندہ ہوں
تلاش کر مری محفل ، مرا مزار نہ پوچھ

جو بھی اس دنیا میں آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن جانا ہے لیکن کچھ اللہ والے خوش نصیب لوگ مرنے سے پہلے اپنے عمل و کردار سے اپنے خاندان والوں کے علاوہ عزیزوں، دوستوں اور ملنے جلنے والوں کے دلوں پر اپنے خلوص و محبت کے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں باقر حسنین بھائی مرحوم ایسے ہی خوش قسمت لوگوں میں تھے۔ جنہیں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا محبت و خلوص کا پیکر، ایثار و

ہمدردی کا مرقع، خوش اخلاق و مہمان نواز۔ کیا رنگا رنگ طبیعت پائی تھی سب سے مسکرا کے ملتے تھے۔ جس سے ایک دفعہ مل لئے وہ ان کی متاثر کن شخصیت کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ حتی الوسع حسب استطاعت ہر ضرورتمند کی مدد کرنے اولے اور سب کے کام آنے والے، ماشاللہ بڑی کامیاب و کامران زندگی گزاری اور تقریباً اسی برس عمر پائی۔

یوپی کے ضلع بارہ بنکی میں قصبہ ردولی کے مشہور زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے، ماشا اللہ سے سب ہی بہن بھائی اچھے مناصب پر فائز تھے انہیں میں مشہور و مقبول شاعر زیبا ردولوی ان کے بڑے بھائی تھے۔

سید باقر حسنین کے والد جناب محمد حسنین ابن چوہدری محمد حسن ابن راجہ غلام عباس تھے اور والدہ امتہ المہدی عرف اکبری بیگم بنت سید محمد عباس ابن سید ذوالفقار علی کنتوری تھیں۔

مرحوم نے لکھنو یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، علم و ادب اس خاندان کا طرہء امتیاز رہا ہے، شعر و ادب اور صحافت سے

خاص لگاؤ رہا، لکھنؤ کے اخبارات و ادبی رسالوں میں ان کا کلام چھپتا رہا، لکھنؤ کے قومی اخبار میں کام کرتے رہے۔ ۱۹۵۲ء میں کراچی آئے اور امروز اخبار میں کام کیا، امروز اخبار جب لاہور منتقل ہوا تو یہ نہیں گئے اور کراچی میں .I.L.O سے منسلک ہو گئے، کئی کتابوں کا ترجمہ کیا، اس کے بعد PIA میں پبلی کیشن ڈپارٹمنٹ میں اخبار فلک پرواز کے ایگزیکٹو ایڈیٹر رہے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ اپنی محنت، کاوش اور خوش کرداری سے بحمد للہ ہر جگہ کامیاب رہے ریٹائرمنٹ کے بعد زیادہ تر مشغلہ محافل شعروادب میں شرکت رہا، شاعری سے شروع ہی سے لگاؤ تھا، ان کی شاعری کی نمایاں خصوصیت اصلاحی پہلو اور دوسروں کی مدد کرنے کا جذبہ ہے۔ معاشرہ کی اصلاح، عوام کے مسائل حل کرنے کی فکر اور جذبۂ خدمت بیشتر کلام میں نمایاں ہے۔ اصلاحی کام حسب منشا نہ کرسکنے کا افسوس متعدد اشعار کا موضوع ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں :

جس طور سے جینا چاہا تھا اس طور سے ہمدم جی نہ سکا
اوروں کے گریباں سینا تھے خود اپنا گریباں سی نہ سکا

باطل کے خلاف قلمی و عملی جنگ زندگی کا مقصد ہے،
فرماتے ہیں:

مرتے مرتے بھی کیئے جائیں گے باطل سے جہاد
جیتے جی کیسے قلم ہاتھ سے باؔقر رکھ دے

وہ مستقبل کے بارے میں پرامید ہیں ؎

ہم سے تشنہ کاموں کا یہ بڑا سہارا ہے
اک نہ ایک دن دریا راستہ بدلتے ہیں

یہاں اقبال ٹاؤن میں B-72 نہایت وسیع و خوبصورت مکان بنوایا اور اہل و عیال کے ساتھ آرام و اطمینان کی زندگی گزاری۔ مرحوم پر اللہ کا بڑا کرم رہا، نہایت لائق، علم دوست، معتبر اور دیندار، بے حد عزت و محبت کرنے والی شریک حیات پائی اور خدا نے دو پیارے بیٹوں اور ایک پیاری بیٹی سے نوازا۔ بچے بہت لائق اور ذہین نکلے بحمد للہ سب کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکے تھے، اپنے کلام میں خود فرماتے ہیں ؎

دنیا میں نعمتیں عطا کی ہیں سب

نصف بہتر ملی بشکل کوکب
نجمی ، شمسی ، بتول سی اولادیں
کس منہ سے ترا شکر ادا ہو یارب

ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

بچے ہیں باعث سکون قلبی
لیکن لازم ہیں اور دو چیزیں بھی
یہ چیزیں ہیں کونسی یہ بھی سن لو
اک سادہ مکان ایک سلجھی بیوی

محترمہ کوکب حسنین بہت لائق، اللہ والی، درد مند دل رکھنے والی خاتون ہیں بڑے بیٹے اختر حسنین عرف نجمی نے غیر معمولی انجینئرنگ دماغ پایا ہے۔ کینیڈا میں رہتے ہیں لیکن خوش قسمتی سے مرحوم کی بیماری کے دوران یہاں آگئے تھے۔

چھوٹے بیٹے نیر حسنین شمسی امریکہ میں بہت کامیاب ڈاکٹر ہیں، بیٹی بتول یہیں کراچی میں ہیں۔

مرحوم سب سے ملتے تھے لیکن زیادہ میل جول قربت اور

دوستی ذی علم اور باعمل لوگوں سے رکھتے تھے۔ سادگی اور جذبۂ خدمت اشعار میں نمایاں ہے، دوسروں کی تکلیف کا ازحد احساس تھا۔ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

یہ غم ہے برق نے سارا چمن جلا ڈالا
یہ غم نہیں ہے نشیمن کو ہم بچا نہ سکے

جہاں تک میرا تعلق ہے مجھ جیسے بے مایہ انسان کو وہ کتنا عزیز رکھتے تھے یہ سب جانتے ہیں میں نے ان کی عزت و احترام میں کبھی کمی نہ ہونے دی اس کے لئے بڑی تفصیل چاہیئے۔

اس مختصر تعارف کے بعد ان کی شاعری اور ادبی ذوق کے لئے کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔ مرحوم نے بہت کچھ لکھا ہے جس حد تک مختلف اصناف سخن کے اشعار مل گئے وہ شائع کئے جارہے ہیں چند دنوں میں کلام آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور آپ لطف اندوز ہوں گے۔ سردست ۸۸ قطعات، ۶ رباعیاں، ۴ سلام اور ۵۹ نظمیں اور غزلوں پر مشتمل کلام شائع ہو رہا ہے۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

مرحوم نے بڑی اچھی شاعرانہ طبیعت پائی تھی نکتہ سنج و سخن شناس تھے، اساتذہ کے ہزاروں اشعار نوک زباں تھے۔ ان کی طبیعت میں سادگی، سنجیدگی، متانت، حق و حقیقت کا اعتراف اور خود داری تھی۔ کلام سادہ اور سلیس، روز مرہ، سلاست، روانی اور اسی قسم کی خوبیوں سے پر ہے۔

آخر میں باقر بھائی کی نجات، مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے دعاگو ہوں وہ محمدؐ و آل محمدؑ اور کربلا والی مقدس ہستیوں کے عاشق تھے۔ لہذا وہ دنیا میں کامیاب رہے اور آخرت میں بھی انشااللہ کامیاب رہیں گے کے زندگی آخری دنوں میں سارا وقت پنجتن پاک کے نام ورد زباں تھے۔ صوم صلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے، جذبات امڈے آرہے اب اس دعا پر اپنا بیان ختم کرتا ہوں کہ مرحوم کی اخروی زندگی بہ تصدق محمدؐ و آل محمدؑ بہت کامیاب رہے اور ان کے پسماندگان بہ طفیل محمدؐ و آل محمدؑ امن، عزت اور سکون کی زندگی گزاریں۔ آمین۔

علی حیدر

تاثرات

اس وقت جب میں اپنے چچا سید باقر حسنین کے بارے میں یہ سطور لکھ رہا ہوں، مجھے رہ رہ کر حافظؔ کا یہ شعر یاد آرہا ہے ؎

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیرازین گناہی نیست

حافظؔ دنیا کے ان عظیم المرتبت شاعروں میں سے ایک ہے جن کے نغموں کی گونج ہر دور میں سنائی دیتی رہتی ہے اور اسکی پذیرائی کیلئے ذہن نو کے دریچے کھلے رہتے ہیں۔ جو لوگ شعرو شاعری سے شغف رکھتے ہیں انہیں بسا اوقات یہ تجربہ ہوتا رہتا

ہے کہ جس شخص سے تعلق خاطر ہو اس کی یاد میں کوئی نہ کوئی ایسا شعر وابستہ ہو جاتا ہے جو اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ میں اس وقت اسی تجربہ سے گزر رہا ہوں اور مذکورہ شعر کے آئینہ میں انکا عکس مجھے واضح طور پر نظر آرہا ہے۔ اس شعر میں جو تلقین ہے وہ اس پر زندگی بھر عمل پیرا رہے۔ دراصل اس باب میں انکی وضع احتیاط رفتہ رفتہ فطرت ثانیہ میں تبدیل ہوگئی تھی۔

باقر چچا نے ایک کامیاب اور بھرپور زندگی گزاری۔ کاروبار حیات ویسے بھی کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن انہوں نے اپنی شریک حیات پروفیسر کوکب حسنین کے تعاون، انتھک محنت، انہماک اور مستقل مزاجی سے بہت سی پیش آمدہ مشکلوں پر قابو پایا اور اپنی ذمہ داریوں سے بطریق احسن عہدہ برآ ہوئے۔ کوکب چچی اعلیٰ درجہ کی ایجوکیشنسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ انتظامی امور میں مہارت رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اور بہت اچھی تربیت دی۔ یہاں میں یہ بات خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ باقر چچا اور کوکب چچی نے میرا اور میرے دیگر بھائی بہنوں

کا بھی بہت خیال رکھا اور کئی مواقع پر اخلاقی اور مالی تعاون فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ باقر چچا کے پاس زندگی بسر کرنے کا ایک واضح شعور تھا۔ جملہ حقوق و فرائض پر ان کی نظر ہمیشہ رہتی تھی۔ ایک پہلے سے ترتیب و تشکیل شدہ لائحہ عمل تھا جس میں آنے والے وقت کی مداخلت سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ وقت کی قدر و قیمت اور ہمیت کو وہ صحیح معنی میں سمجھتے تھے اور ان کے تمام معمولات میں پابندی وقت کا التزام رہتا تھا۔

وہ ایک وجیہ اور جامہ زیب شخص تھے۔ اپنے لباس اور نشست و برخواست کا خاص خیال رکھتے تھے۔ کم آمیزی اور کم سخنی کے باوصف ان کی شخصیت میں ایک ایسی جاذبیت تھی کہ انہیں کسی بھی محفل و مجلس میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اپنے اعزاء، اقرباء اور احباب سے وہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ ان لوگوں سے وہ ان کی صحت، بچوں کے تعلیمی مراحل اور دیگر معاملاتِ زندگی کے بارے میں ضرور پوچھتے رہتے تھے۔

تشکیل پاکستان سے قبل بھی ہمارے خاندان کے متعدد

افراد شعروادب کا مخصوص ذوق و شوق رکھتے تھے۔ میرے حقیقی پھوپھا جعفر مہدی رزمؔ ردولوی (مرحوم) اور والد مرحوم سید علی حسنین زیباؔ ردولوی دونوں بزرگ جناب نجم آفندیؔ مرحوم جیسے صاحب کمال اور عہد آفریں شاعر کے شاگرد تھے۔ سرکاری ملازمت ترک کر کے ردولی تشریف لے آئے تھے جہاں ان کا قیام تین سال تک رزمؔ ردولوی کے گھر پر رہا۔ اس زمانے میں باقر چچا لکھنؤ میں زیر تعلیم تھے لیکن وہاں سے تعطیلات کے زمانے میں ردولی آکر ان ادبی صحبتوں سے فیضیاب ہوتے رہتے تھے جو جناب نجمؔ آفندی کے دم قدم سے روز مرہ کا معمول بن چکی تھیں۔ ان کی اولیں تربیت گاہ یہی صحبتیں تھیں جنھوں نے ان کے شعری ذوق کو سنوارا اور نکھارا، بعد ازاں لکھنؤ کے زمانۂ قیام میں ان کی ملاقات یگانۂ روزگار اور منفرد لب لہجہ کے مشہور شاعر میرزا یاس یگانہ چنگیزی سے ہوئی۔ میرزا صاحب اس وقت اپنی شہرت کے بام عروج پر تھے جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے، وہ ایک کم آمیز، حد درجہ حساس اور نہایت نازک مزاج انسان تھے۔ بہت کم لوگ تھے

جو میرزا صاحب کے حلقہء صحبت میں آئے اور ان سے کسب فیض کر سکے۔ باقر چچا ان معدودے چند لوگوں میں سے تھے جن کے ساتھ میرزا صاحب نہایت شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ ایک موقع پر باقر چچا نے مجھے بتایا تھا کہ میرزا صاحب نے اپنے کئی اشعار کی تشریح کر کے ان کے اصل معانی و مطالب ان کے سامنے بیان کئے تھے نہ صرف یہ بلکہ اپنی کئی کتابیں بھی دستخط کر کے عطا کی تھیں۔ باقر چچا کو میرزا یگانہؔ سے جو عقیدت تھی وہ آخر وقت تک قائم رہی جب کبھی گفتگو میں یگانہؔ کا ذکر نکل آتا تو ان کی دلچسپی بڑھ جاتی تھی اور وہ کوئی نہ کوئی واقعہ جو یگانہؔ سے منسوب ہوتا ضرور سنایا کرتے تھے۔ میں نے اپنے چھوٹے چچا ایئر کموڈور سید کاظم حسنین (مرحوم) کے لئے ایک نظم کہی تھی جس میں ایک شعر یہ تھا؎ وہ غالبؔ و میرؔ کے تھے شائق

اور عاشقِ میرزا یگانہؔ

یہی شعر باقر چچا کے لئے زیادہ وثوق سے دہرایا جاسکتا ہے۔ وہ ایک خوش فکر شاعر اور بہت اچھے نثر نگار تھے۔ پیشہ کے

اعتبار سے وہ صحافت سے وابستہ رہے۔ ادبی دنیا لکھنؤ، روزنامہ امروز کراچی، آئی۔ ایل۔ او۔ کی خبریں اور پی۔ آئی۔ اے۔ کے جریدہ "پرواز" میں انہوں نے مختلف ادارتی مناصب پر کام کیا اور آخر میں "پرواز" کے **Executive Editor** کی حیثیت سے عملی صحافت سے سبکدوش ہوئے۔ پریس سے اس قدر قریبی تعلق کے باوجود انہوں نے ہمیشہ **Self projection** سے احتراز کیا۔ وہ اپنی ذات کیلئے کسی قسم کی پی۔ آر۔ پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ بات ان کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی تھی۔ انہوں نے بہت ہی کم اپنا کلام شائع کروایا۔ کئی ادبی جرائد کے ایڈیٹر ان سے اکثر اشاعت کلام کیلئے فرمائش کرتے تھے لیکن وہ اسکی حامی ہی نہیں بھرتے تھے۔

جیسا کہ میں نے گزشتہ سطور میں عرض کیا ہے کہ انکے ادبی ذوق کی تربیت زمانہ طالب علمی ہی میں ہو چکی تھی۔ اس لئے شعر کہنا اور ایک محدود و مخصوص حلقہ ادب کی سرگرمیوں میں شریک ہونا ان کے لئے ناگزیر تھا۔ وہ اپنی کم آمیز طبیعت کے باوجود شاعری اور ادبی حلقہ سے گریز پائی نہ کر سکے۔ ان کی شعری

تخلیقات کے اس مجموعے میں پڑھنے والوں کو کئی اصناف سخن نظر آئیں گی۔ نظم، غزل، رباعی، قطعہ اور سلام وغیرہ۔ یہ وہ کلام ہے جو منتشر اور مختلف ذرائع سے جمع کیا گیا ہے۔ قطعات و رباعیات میں انہوں نے ایسے کئی واردات و واقعات بھی نظم کئے ہیں جو خانگی اور نجی نوعیت کے ہیں۔ اپنی شریک حیات اور بچوں کیلئے بھی انہوں نے کاوش سخن کی ہے اور اپنے سچے جذبوں کی ترجمانی کی ہے۔

غزل کی چھوٹی چھوٹی بحروں میں بڑے بڑے شعر کہنے والے باقیؔ صدیقی (مرحوم) کا ایک شعر ہے ؎

پھول یہ سوچ کے کھل اٹھتے ہیں
کوئی تو دیدۂ بینا ہوگا

جیسے پھول کھل اٹھتے ہیں ایسے ہی شعر بھی "ہو" جاتے ہیں۔ زمین اور ذہن کی قوت نمو اپنے اظہار سے نہیں بچ سکتی۔ ذہنی قوت نمو مقابلتہً زیادہ بیش قدر ہے اور اسی اعتبار سے اسکی تخلیقات بھی زیادہ وقیع ہوتی ہیں دیدۂ بینا کمیاب ضرور ہے نایاب نہیں۔

سید اطہر حسنین

قطعہء تاریخ وفات

سید باقر حسنین مرحوم و مغفور

فنا کے رنگ سے خالی نہیں بقا کہئے
ازل سے تابہ ابد ہے یہ سلسلہ کہئے

حصار وقت میں جو کچھ ہے حاضر وجود
نہ پائیدار کوئی ہے نہ دیرپا کہئے

ابھی یہ عصر رواں جس کے انتظار میں ہے
وہ شخصؑ بھی ہے مگر حشر ماجرا کہئے

ہر اک چراغ کو بجھنا ہے ایک دن آخر
تلاش میں ہے مسلسل یہاں ہوا کہئے

ہوائے مرگ اٹل ہے اٹل رہے گی مگر
یہی ہے رسم کہ ناگاہ و ناروا کہئے

یہ قولِ عقل نہیں ہے جو کچھ تامل ہو
یہ اک حدیث محبت ہے برملا کہئے

"بجا ہے ذائقہ موت تلخ بھی ہے اگر
تو باب مومن عارف میں خوش مزہ کہئے"

سخن شناس و سخن سنج و نکتہ ور باقر
وہ جس کو شاعر خوش فکر و خوشنوا کہئے

وہ اس کی نثر کہ پڑھئے تو آفریں لکھئے
وہ اس کی نظم کہ سنئے تو مرحبا کہئے

نہیں ہے عام زمانہ میں جوہر ادراک
ہر ایک شخص نہیں ہے خود آشنا کہئے

کہیں کہیں پہ ہے یک رنگ ظاہر و باطن
کوئی کوئی ہے یہاں اپنا آئینہ کہئے

اگر اسی پس منظر میں دیکھئے اس کو
تو پھر نہ منظر ظاہر میں کم نما کہئے

زمین حضرت غالبؔ میں سال غم اطہرؔ
بطور قمری و شمسی بہ تد خلہ کہئے

عطا طریق مودت شعار بھی ہے بجا
حسیب و مومن و عارف مگر سوا کہئے

۱۴۲۰ ہجری مطابق ۱۹۹۹ عیسوی

ہدیۂ عقیدت از طرف

سید اطہرؔ حسنین فرزند سید علی حسنین زیبا ردولوی مرحوم و مغفور

۱۵ شہر شوال ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۳ ماہِ جنوری ۲۰۰۰ء

قطعات و رباعیات

پرکھا جس کو نہیں وہ سچا ہے
برتا جس کو نہیں وہ اچھا ہے
چکھنے کو ملا جو وہ کھٹا نکلا
جو پھل چکھا نہیں وہ میٹھا ہے

تسخیر قمر بھی کار لا حاصل تھا
بحر ذخار کو کھنگالا تو کیا
پہنائی قلب پر نظر کی ہوتی
دل کی گہرائیوں میں جھانکا تو کیا

خون دل سے دیا جلاتے ہی رہے
ماحول کو رنگین بناتے ہی رہے
واقف تھے مآل زندگی سے لیکن
منزل کی طرف قدم بڑھاتے ہی رہے

لہرا لہرا کے گیت گاتے ہی رہے
ہاں مژدۂ جانفزا سناتے ہی رہے
الفت کی راہ لاکھ دشوار سہی
منزل کی طرف قدم بڑھاتے ہی رہے

ہر دم مئے معرفت پیا کرتا ہے
اللہ اللہ ہی کیا کرتا ہے
اپنی روزی کے واسطے اوروں کو
ہر وقت فریب ہی دیا کرتا ہے

کل رات کو اک فقیر نے مجھ سے یہ کہا
بابا مجھے پیسہ دے بھلا ہوگا ترا
فوراً ہی مجھے خیال آیا اس وقت
خیرات پہ کب تلک جیئے گی دنیا

❀

جزبات سے قلب کو نہ عاری رکھو
قبضے میں یہ تلوار دو دھاری رکھو
گلزار بقا کی آبیاری کے لئے
ہنسنے رونے کا شغل جاری رکھو

❀

انسان کی عقل ٹھوکریں کھاتی ہے
قدرت کیا کیا طلسم دکھلاتی ہے
شاخوں پہ لگے رہتے ہیں سوکھے ہوئے پھول
نو خیز کلی خاک میں مل جاتی ہے

❀

دامن میں ہوس کے پھول بھر لیتا ہوں
یا آتش دوزخ کے شرر لیتا ہوں
ڈر یہ ہے فرشتہ نہ کہیں بن جاؤں
اس واسطے میں گناہ کر لیتا ہوں

فطرت کے راز موبمو کیا جانے
تنہائی میں دل کی گفتگو کیا جانے
اے عیش و طرب کے بندۂ حلقہ بگوش
ہے درد میں جو مزا وہ تو کیا جانے

دیکھو وہ کام کر رہا ہے مزدور
آنکھیں ہیں دھنسی جیسے فشردہ انگور
اک دن یہ انقلاب لائے گا ضرور
آنکھوں میں شراب ہوگی چہرہ مسرور

رم جھم پانی برس رہا ہے ہمدم
دیدار کو جی ترس رہا ہے ہمدم
آفاق میں ہیں چار طرف پھول کھلے
اک غنچہء دل بکس رہا ہے ہمدم

پڑ جاتے ہیں ماند چاندنی میں تارے
لو دیتے ہیں قلب کے مگر انگارے
کیا پوچھتے ہو شعلہ بجاں ہو اس وقت
یہ چاند کا جادو یہ حسین نظارے

مے خانے سے کیا ایاغ پائے ہم نے
کیسے روشن چراغ پائے ہم نے
بے چین سدا رہتے ہیں پارے کی طرح
اچھے یہ دل و دماغ پائے ہم نے

میدان پڑا تھا گھاس چرنے کے لئے
کھا کر اینڈنے اکڑنے کے لئے
بھوکے پیاسے رہے مگر ہم نے
سر کو نہ جھکایا پیٹ بھرنے کے لئے

❀

اخلاص محبت سے نہیں بڑھ کے طبیب
ہے وہم گمان سلسلہ دور و قریب
جو جتنا دور ہے وہ اتنا ہی حبیب
جو جتنا قریب ہے وہ اتنا ہی رقیب

❀

دھوکے کی یہ ٹٹی ہے نہیں کچھ اندر
اینٹ اور گارے کا ڈھیر ہے یہ مندر
انسان تو ہو رہے ہیں فاقوں سے نڈھال
گیہوں مندر میں کھا رہے ہیں بندر

❀

وجہ یاس و ملال کس سے پوچھوں
سوکھے پھولوں کا حال کس سے پوچھوں
دنیا میں بہار بھی کبھی آئے گی
چبھتا ہوا یہ سوال کس سے پوچھوں

آئینہ دل کو جگمگا کر دیکھو نہ
اشکوں کو آنکھوں سے گرا کر دیکھو
تسکین نہ ہو جائے تو میرا ذمہ
تاروں کو ذرا نظر اٹھا کر دیکھو

گم گشتگی راستہ دکھا دیتی ہے
ناکامی بھی کچھ کام بنا دیتی ہے
دنیا میں قدم قدم پہ ٹھوکر کھا کر
پیروں میں روشنی سی لا دیتی ہے

تلخابۂ حیات پیئے جائیں گے
دشوار سہی مگر جیئے جائیں گے
مانیں گے نہ ہار ہم بھی مرتے مرتے
اپنی سی بہرحال کیئے جائیں گے

❀

ساکت ہے آسمان ساکت ہے زمیں
منظر نظر آتا ہے ہر اک دھندلا سا
ایسا نہ ہو رک جائے گھڑی جیون کی
دل کی مرے ڈھیلی ہے کمانی کس جا

❀

دل کی باتیں کسی سے کب کہتا ہوں
خاموشی سے ہر ایک کڑی سہتا ہوں
سنگین حقائق میں گھرا ہوں لیکن
خواب رنگین دیکھتا رہتا ہوں

❀

کچھ خیر بد انجام کا قصہ بھی سنا
رنگینیٔ فردوس کو برباد کیا
سن لے افسانہ شرِ نیک آغاز
آدم کے گناہ نے بسائی دنیا

❁

تقریر کسی کی کوئی سنتا ہی نہیں
تحریر کسی کی کوئی پڑھتا ہی نہیں
محروم سماعت و بصارت ہے جہاں
موتی بکھرے ہیں کوئی چنتا ہی نہیں

❁

کرتے نہیں کوئی کوئی کام تن من دھن سے
واقف ہی نہیں ہیں زندگی کے فن سے
ہنستے ہیں تو گویا ٹھیکرے پھوڑتے ہیں
روتے ہیں عجب ایک بھونڈے پن سے

❁

نیلم ہوں نہ الماس نہ گوہر ہوں میں
کہتر ہوں مگر لاکھوں سے بہتر ہوں میں
آتا ہوں کام دوسروں کے ہر وقت
کہنے کے لئے خاک ہوں پتھر ہوں میں

رہنا پڑتا ہے کیسے آبادی میں نہ
کرتے ہیں سلوک کیا غم و شادی میں
آزاد جو قومیں ہیں تم ان سے پوچھو
کتنی پابندیاں ہیں آزادی میں

اس جاہ و حشم سے ہاتھ دھونا ہے تجھے
یہ مال و متاع سارا کھونا ہے تجھے
کس واسطے ہے عرش معلیٰ پہ دماغ
اک دن پیوند خاک ہونا ہے تجھے

حیوان بنے پھرتے ہیں کتنے انسان
ہیں دل میں درندوں کے بھی کیا کیا ارمان
جس شیر نے بھوک میں ہرن چھوڑ دیا
انسان نہ ہو وہ کوئی بہ شکل حیوان

حالات اردگرد ہیں بالکل ایسے
خنجر سر پر لٹک رہے ہوں جیسے
کاندھے بوجھل پاؤں گھائل لیکن
جیون کا جوا اتار پھینکوں کیسے

نیرنگ زمین و آسمان دیکھے ہیں
گلزار میں آثار خزاں دیکھے ہیں
محلوں پہ محل بنانے والے تو نے
ٹوٹی ہوئی قبروں کے نشاں دیکھے ہیں

پیٹ ہو جس کا بھرا اس کے لئے ماہ و نجوم
شاہد سیمیں تن و عرقِ رخ محبوب ہیں
چاند بھوکے آدمی کے واسطے نان جویں
اور ستارے کشت گندم کے سوا کچھ بھی نہیں

سیہ خانوں میں دل کے عشق کی شمعیں جلائی ہیں
مشیت نے محبت کی ہمیں راہیں دکھائی ہیں
گناہوں کی نہیں ترغیب دینا ہے تو پھر کیا ہے
کوئی بتلائے کیوں یہ چاندنی راتیں بنائی ہیں

کوئی لیلیٰ نہیں ہے محمل میں
آرزو ہی نہیں کوئی دل میں
اپنا جام حیات خود بھر لوں
جی میں آتا ہے خودکشی کر لوں

مسرت سی سبک شے کو شریک غم نہیں کرتا
مسلسل درد ناکامی پہ بھی ماتم نہیں کرتا
لٹاتا ہی نہیں آنسو کے موتی دست مژگاں سے
ملی ہے غم کی جو دولت اسے میں کم نہیں کرتا

ہیں اٹھے جہنم میں گنہ کے شعلے
یا ہانپ رہے ہیں اژدھے منہ کھولے
بجھتے نہیں جب ثواب کے چھینٹوں سے
ان کو اسی طرح ملتہب رہنے دے

گونگے تو نہیں ہیں ہم کہ خاموش رہیں
بہرے تو نہیں ہیں ہم کہ طعنے نہ سنیں
لیکن طے کریں گے گفتگو سے پہلے
کیا بات کہیں کس سے کہیں کیسے کہیں

انسب ہے کہ اختتام رہ تک پہنچیں
لیلیٰ سخن کی جلوہ گہہ تک پہنچیں
الفاظ کی موجوں ہی میں الجھے نہ رہیں
لازم ہے کہ ہر بات کی تہہ تک پہنچیں

ہشیاری سے بیہوش ہی رہنا اچھا
سننے سے گراں گوش ہی رہنا اچھا
نفسی نفسی ہے شور محشر ہے بپا نہ
ایسے میں تو خاموش ہی رہنا اچھا

کانٹوں کو یہ گلزار بنا دیتی ہے
اور زہر کو امرت کا مزا دیتی ہے
حاجت کی طلسم کاریاں مت پوچھو
ہر چیز کو اک رنگ نیا دیتی ہے

لے عقل سے کام اور معقول رہے
خدمت انسانیت کی معمول رہے
ضائع نہ کرے ایک دقیقہ اپنا
انسان کو چاہئے کہ مشغول رہے

دھوکا دنیا میں کوئی کھایا ہی نہیں
اپنے کو بڑا کر کے دکھایا ہی نہیں
خطرہ ہوتا ہے جن سے گر جانے کا
میں نے ان رفعتوں کو پایا ہی نہیں

کیا تیری محبت کا صلہ دیں گے تجھے
الٹا سیدھا سبق پڑھا دیں گے تجھے
ہاں اپنے حواریوں سے عیسیٰؑ ہشیار
اک روز یہ سولی پہ چڑھا دیں گے تجھے

انداز نیا نئی ادا رکھتا ہوں
غالب کاسا طرز ماسوا رکھتا ہوں
لہجہ ہی جدا نہیں اوروں سے میرا
میں فکر بھی اوروں سے جدا رکھتا ہوں

❀

بدلی چھٹتی نہیں اور برستی بھی نہیں
بجھتی نہیں آگ اور سلگتی بھی نہیں
دل گلشن زیست میں ہے اک ایسی کلی
کھلتی نہیں جو اور بکستی بھی نہیں

❀

منشائے کن فکاں سے آگاہ نہیں
سب کچھ تیرے لئے ہے اک خاک نشیں
سیم و زر کے مہ و انجم و خورشید
نیلم کا آسمان زمرد کی زمین

❀

جنت کا مرقع ہوبہو دیکھا ہے نہ
چھلکا ہوا قدرت کا سبو دیکھا ہے
گلشن میں گئے ہو کبھی ہنگام سحر
سیلاب شباب رنگ و بو دیکھا ہے

اک مشت غبار کے سوا کچھ بھی نہ تھا
لیکن ترے دم قدم سے کیا کچھ نہ ہوا
کنکر تھا مرا دل مگر اس کو تیری
نظروں کی شعاعوں نے بنایا ہیرا

انساں پہ ہے انساں کی حکومت اب تک
سمجھا نہیں میں تیری مشیت اب تک
لاکھوں پیغمبروں کو بھیجا تو نے
دنیا کی مگر زار ہے حالت اب تک

افراد کا مجموعہ یہ عالم کیوں ہے
گلشن میں یہ امتیاز باہم کیوں ہے
غنچہ کیوں عمر بھر ہنسا کرتا ہے
سرتا بہ الم حیات شبنم کیوں ہے

کہتے ہیں کسے عشق محبت کیا ہے
ہم سے پوچھو کہ اس کی عظمت کیا ہے
دل والے نقد جاں لٹا دیتے ہیں
سیم و زر کی بھلا حقیقت کیا ہے

دامن نیم غفلت میں بھگویا تھا کبھی
سرمایۂ عقل و ہوش کھویا تھا کبھی
سوتے میں بھی اب جاگتا رہتا ہوں میں
اک لمحے کو جاگتے میں سویا تھا کبھی

ایثار کا اعلیٰ یہ نمونہ دیکھو
تپتے صحرا میں لطف دریا دیکھو
ہے دھوپ میں خود کھڑا جو نخل صحرا
اوروں کو وہی دیتا ہے سایہ دیکھو

❀

یہ نور جو ہر طرف پھیلے ہیں
خوش ہیں وہ پرستار جو صورت کے ہیں
آئینۂ دل کو دیکھ چہروں پہ نہ جا
چہرے نکھرے ہوئے ہیں دل میلے ہیں

❀

حالات کی آنچ سے پگھل جاتے ہیں
بدلے جو زمانہ تو بدل جاتے ہیں
ہوتے نہیں ٹھوس اور مضبوط جو لوگ
ہر قسم کے سانچے میں وہ ڈھل جاتے ہیں

❀

کچھ لاتی ہے اور کچھ لے جاتی ہے
ہر موڑ پہ جلوہ نیا دکھلاتی ہے
انسان کے حالات میں بھی طغیانی
آتی ہے اور بہ شدومد آتی ہے

چشم ظاہر تو ایک پردہ سا ہے
دیکھا ہے جسے اسے کہاں دیکھا ہے
اشیاء کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے
دل کی آنکھوں کو کھولنا پڑتا ہے

انسان کا وجود ہے صحرا میں سراب
یہ عالم اسباب میں رہتا ہے خراب
بھرتا جاتا ہے عمر کا پیمانہ
ڈھلتی جاتی ہے زندگی کی شراب

ہے کون سدا پھولنے پھلنے کے لئے
سورج ابھرا بھی تو ڈھلنے کے لئے
جمتا نہیں دنیا میں کسی چیز کا رنگ
ہر شے ہے یہاں رنگ بدلنے کے لئے

خلوت میں جان آرزو یاد آیا
جلوت میں حسن گفتگو یاد آیا
غربت میں بہرحال بہلتا رہا دل
ہر شہر میں ہم کو لکھنؤ یاد آیا

ڈھونڈے سے بشر نہیں ملتا ہے
بھولے سے کسی کا دل نہیں کھلتا ہے
قالب میں بشر کے جانور پھرتے ہیں
پھیلا ہوا جنگل ہے کراچی کیا ہے

حسن کافر پہ ٹوٹ کر نہ گریں
راہ تاریک میں قدم نہ دھریں
اب تقاضہ یہ ہے زمانے کا
عقل کی روشنی میں عشق کریں

❁

گو مرا دل نہ تھا کسی قابل
ہو گیا ہے یہ زیست کا حاصل
تیری یادیں سجا کے رکھی ہیں
دیدنی ہے نگارخانۂ دل

❁

ان کے آگے پہاڑ بھی رائی ہے
دریاؤں نے بھی مات یہاں کھائی ہے
غافل ذرات کو حقارت سے نہ دیکھ
ذرات میں جوہری توانائی ہے

❁

خوابیدہ شعور کو جگایا ہم نے
پردہ جو پڑا تھا وہ اٹھایا ہم نے
اوروں کا ذکر کیا ہے خود اپنے کو
اک عمر میں ڈھونڈ پایا ہم نے

سیکھو گدھے سے بردباری کے سبھاؤ
بلی کی کم خوری کی عادت اپناؤ
کتے کی طرح وفا کے جوہر دکھلاؤ
انساں نہیں بن سکتے ہو حیواں بن جاؤ

ہر سمت طلسمات کی جھلکیاں تھیں
نظریں قوس و قزح کی پابند رہیں
مدہوش رہے خیال ہی کی دنیا میں
تابندہ حقیقتوں کو دیکھا ہی نہیں

دولت کی چھاؤں میں سکوں پایا ہے
ناداری و افلاس نے گرمایا ہے
سرد و گرم زمانہ دیکھا ہے بہت
تب جا کے یہ اعتدال آیا ہے

❁

انسان غم سے نڈھال ہو جاتا ہے
وقف رنج و ملال ہو جاتا ہے
لیکن اے دوست وقت کے مرہم سے
ہر زخم کا اندمال ہو جاتا ہے

❁

آمادہ ہے مدت سے بغاوت پہ دماغ
چھلکے گا کب نظام کہنہ کا ایاغ
مفلس کے گھر رہا اندھیرا شب بھر
اللہ کے گھر میں دن کو جلتے ہیں چراغ

❁

زر وجہ پریشانیٔ دل ہوتا ہے
کیا دست تہی بھی کوئی شے کھوتا ہے
منعم کو چھپر کھٹ پہ نہیں آتی نیند
مفلس گدڑی میں چین سے سوتا ہے

❀

اندھوں میں گھرے ہوئے ہو صاحب نظرو
بجتے ہیں تو گونگوں کو یونہی بجنے دو
محفل میں بڑا شور ہے بہرے بن جاؤ
اپنی کہتے رہو کسی کی نہ سنو

❀

کیسا جادو تھا کیا سماں تھا ہر سو
اکتا کے بھلا کون بدلتا پہلو
جھوٹی باتوں میں کیا مزا آتا تھا
سچی باتیں ہیں کتنی کڑوی تھو تھو

❀

انجام طلسم خواب دیکھا ہی نہیں
فرق شیب و شباب دیکھا ہی نہیں
چڑھتے سورج کو پوجنے والوں نے
ڈھلتا ہوا آفتاب دیکھا ہی نہیں

آرام کی نیند کوئی کیسے سوئے
دل کھول کے کوئی کس طرح روئے
طوفان بادو شدت باراں میں
کیا خاک کوئی نخل تمنا بوئے

زمانہ کروٹ ضرور لے گا
ضرور فصل بہار دے گا
یہ بات دل سے نکال ڈالو
ہمیشہ یخ بستگی رہے گی

ایثار کوئی مادی راحت تو نہیں
تخسیرِ انا خراب عادت تو نہیں
کس واسطے منظر ہے تو بدلے گا
نیکی کرنا کوئی تجارت تو نہیں

مخلوق خدا کی دستگیری نہ گئی
مرزائی نہ آئی اور میری نہ گئی
کوکب نے بہت بانس پر چڑھایا لیکن
طینت میں تھی سادگی فقیری نہ گئی

تو نے نہ اگر مجھے سنبھالا ہوتا
میں بھی آفات کا نوالا ہوتا
مجھ کو بھی شب و روز کی اس چکی نے
اوروں کی طرح سے پیس ڈالا ہوتا

بچے ہیں باعث سکون قلبی
لیکن لازم ہیں اور دو چیزیں بھی
یہ چیزیں ہیں کون سی یہ بھی سن لو
اک سادہ مکان ایک سلجھی بیوی

دنیا میں نعمتیں عطا کی ہیں
نصف بہتر ملی بہ شکل کوکب
نجمی ، شمسی ، بتول سی اولادیں
کس منہ سے ترا شکر ادا ہو یارب

کاظم سے کہو حمد خداوند پڑھیں
سجاد اٹھیں سجدۂ شکرانہ کریں
حقا یہ عروسی ہے قرانِ سعدیں
سارے سیارے آج ساکن ہی رہیں

گھبرا کے نہ آئی ہے نہ ڈر کر آئی
ناراض نہ ہو کر نہ بگڑ کر آئی
جس وقت اسد مائل پرواز ہوا
شاہین کچھار میں اتر کر آئی

❀

سر تاج سما بنی ہوئی ہیں شاہین
دشت و دریا ہیں اسد کے زیر نگیں
یکجائی طرفین مبارک باشد
ہے لہر طرب ز آسمان تابہ زمین

❀

الفت کی عجب آب و ہوا ہوتی ہے
یاں قلب ماہیت وفا ہوتی ہے
شاہین کے ہاتھوں میں جو آجائے اسد
پھر دیکھئے کیا اس کی دسا ہوتی ہے

❀

سادہ تقریب تھی نہ کوئی زیب نہ زین
اعلیٰ معیار سادگی بہ چشم کونین
نجمی کے مقدر کا ستارہ چمکا
یہ عقد نکاح ہے قران سعدین

سب ان کی روشنی میں کھو جائیں گے
دنیا کو یہ نور میں ڈبو جائیں گے
لبنیٰ ہے ماہ نیم ماہ مانا ہم نے
سنیر بھی مہر نیم روز ہو جائیں گے

اک نیا جذبہ جگایا اک نئے آہنگ نے
زندگی رنگین کردی اک نرالے رنگ نے
پھر جہاں آرائی و ندرت طرازی کے لئے
زندگی کا معرکہ جیتا ہے صفدر جنگ نے

میرے افکار پہ یہ پڑ گیا کس کا سایہ
کس نے بھولا ہوا ماضی کا سبق دہرایا
کس نے ہنس کر یہ کہا، سوچکے اٹھئے حضرت
کون مجلس میں مجھے ہاتھ پکڑ کر لایا

❀

کوئی حیلے نہ کچھ بہانے ہوتے
کوئی نہ خونچکاں فسانے ہوتے
اسلام کی تاریخ تھی سیدھی سچی
احکام رسولؐ کے جو مانے ہوتے

❀

حالات جمود کو نہ طاری رکھو
گلزار بقا کی آبیاری رکھو
افکار کی تجدید و جلا کی خاطر
شبیرؑ کی داستان جاری رکھو

❀

ناحق کوئی بات کیوں کسی سے پوچھو
اسرار ازل حق کے ولی سے پوچھو
ہر شے کا ہے علم ان کو تفصیل سے سب
جو پوچھنا ہو تم کو علیؑ سے پوچھو

کیا سر خفی ، نص جلی بھی نہ کہیں
کیا ان کو محمدؐ کا وصی بھی نہ کہیں
اچھا نہیں کہتے ہیں علیؑ کو اللہ
لیکن اللہ کو علی بھی نہ کہیں

اک مرد خدا نے یہ علیؑ سے پوچھا
بتلایئے مجھ کو روح اسلام ہے کیا
بحر حکمت کا وہ شناور بولا
عرفان خدا و خدمت خلق خدا

ظلم اور جبر کو دین سے مٹانا ہوگا
دہر کو جادۂ انصاف پہ لانا ہوگا
صلح اور جنگ کے آداب بتانے کے لئے
اسوۂ شبرؑ و شبیرؑ سکھانا ہوگا

❀

آزادی کا کھایا نہیں دھوکا میں نے
زنجیروں سے ہے قلب کو جکڑا میں نے
اب مجھ کو نہیں کوئی وسیلہ درکار
دامن آل عباؑ کا پکڑا میں نے

❀

دنیا دیکھی ہے ماورائے بحرین
زوار بھی حاجی بھی بفضل سبطینؑ
لیکن سب خوبیوں سے افضل یہ ہے
مداح علیؑ ہیں اور عزادار حسینؑ

❀

عباسؑ جری واہ ترا کیا کہنا
کس شان سے تشویف شہادت پہنا
اب تک تری بالیں پہ وفا روتی ہے
دریا بہتا تھا اور پانی نہ پیا

لحن داوٗدؑ ، نطق عیسیٰؑ دیدے
بازوئے علیؑ ، عصائے موسیٰؑ دیدے
حفظ خیر اور رفع شر کی خاطر
انداز رحمت سراپا دیدے

اپنے ہوش و حواس قائم رکھو
لہجے پر سوز دل ملائم رکھو
ظالم سے کبھی کہیں تعاون نہ کرو
مظلوم سے ربط و ضبط دائم رکھو

سر دینے کو ہر قدم پہ تیار ملے
ایوان زندگی کے معمار ملے
شبیرؑ نے عمر جاودانی بخشی
انصار جو موت کے خریدار ملے

❀

درخواست نہ رد کرے گا میری
حفظ روح و جسد کرے گا میری
کیا فکر ہو مجھ کو غم ایام تری
میرا مولا مدد کرے گا میری

❀

سلام

زندگی غم میں ترے نوحہ کناں آج بھی ہے
ایک خنجر سا قریب رگ جاں آج بھی ہے

ولولہ ابن مظاہر کا ہے زندہ اب بھی
فیض سے اسکے ہر اک پیر جواں آج بھی ہے

قلب اکبرؑ پہ جو میداں میں لگی تھی برچھی
دل انساں میں کھٹکتی وہ سناں آج بھی ہے

کس کی ہمت ہے کہ شیروں سے ترائی چھینے
نہر پر قبضہء عباسؑ ژیاں آج بھی ہے

علی اصغرؑ نے تبسم میں جو کی تھی تقریر
روح تقریر وہی حسن بیاں آج بھی ہے

گوشوارے کبھی چھینے تھے کسی نے لیکن
میرے کانوں میں سکینہؑ کی فغاں آج بھی ہے

آگ خیموں میں لگائی تھی سیہ بختوں نے
اسکے شعلوں سے مرا قلب تپاں آج بھی ہے

آج بھی شام غریباں ہے نگاہوں پہ محیط
رخ ہستی پہ اسی غم کا دھواں آج بھی ہے

قافلے کو ترے گزرے ہوئے صدیاں گزریں
جادۂ زیست پہ قدموں کا نشان آج بھی ہے

سبط احمدؐ نے زمانہ کو جہاں چھوڑا تھا
اسی منزل پہ جہاں گزراں آج بھی ہے

اس نے ہر دور میں ایمان کی حفاظت کی ہے
غم شبیرؑ ہمارا نگراں آج بھی ہے

گھپ اندھیرے میں رہ راست پہ رکھنے کیلئے
جاں نثاروں کی ترے کاہ کشاں آج بھی ہے

سلام

ہاں جان چمن ہونا تھا جنہیں وہ پھول گھرے ہیں خاروں میں
خود روح بہاراں کہتی ہے کچھ لطف نہیں ہے بہاروں میں

عشرہ کی صبح اذاں دی تھی اکبرؑ نے کس کے لہجے میں
آوازہ ہے اب تک جس کا میدانوں میں کہساروں میں

شبیرؑ جگا کر لائے تھے جس بچے کو گہوارے سے
وہ بچہ چین سے سوتا ہے کتنے دل کے گہواروں میں

کیوں شام غریباں کا منظر ان چھوٹی آنکھوں نے دیکھا
احساس نجات باقی ہے اب تک دھندلائے تاروں میں

ایوان جبر و تشدد کی بنیاد ہلادی عابدؑ نے
دنیا میں کسی نے دیکھی ہے ایسی طاقت بیماروں میں

کانوں سے لہو ٹپکتا ہے نیلے ہیں گال تمانچوں سے
اک پھول سی بچی بے بس ہے بے دردوں میں غداروں میں

آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک ، خاتمؐ سے لے کر قائمؑ تک
سب حق نبیوں کی جمعیت ہے شبیرؑ کے ماتم داروں میں

شبیرؑ سے کامل انساں کی کچھ اہل عرب نے قدر نے کی
بھارت میں اگر پیدا ہوتے ، پوجے جاتے اوتاروں میں

سلام

بادِ صبا کا لطفِ گلِ تر سے پوچھئے
اور مہرِ مادری علی اکبر سے پوچھئے

دستِ خدا ہیں بازوئے پروردگار ہیں
حیدرؑ کے زور کو درِ خیبر سے پوچھئے

کیا صلح کے رموز ہیں کیا ہیں حدودِ جنگ
یہ مسئلے حسینؑ سے شبرؑ سے پوچھئے

راہِ خدا میں قلت و کثرت کے فرق کو
لاکھوں سے پوچھئے نہ بہتر سے پوچھئے

جوش ولا نے ایک نیا ولولہ دیا
پیری کا زور ابن مظاہر سے پوچھئے

کیا رونقیں تھیں کیسی سحر کیسی شام تھی
جو دوپہر میں لٹ گیا اس گھر سے پوچھئے

گھر میں خدا کے راکب و مرکب کا واقعہ
اصحاب باصفا سے ، پیغمبرؐ سے پوچھئے

تیر قضا نے کون سا منظر دکھا دیا
کیوں مسکرائے ہیں علی اصغرؑ سے پوچھئے

جب وقت عصر سجدۂ آخر میں تھے حسینؑ
تب کیا ہوا حسینؑ کی خواہر سے پوچھئے

دریائے فیض حیدرؑ صفدر ہے جوش پر
کیا ڈر لگا ہوا ہے یہ قنبر سے پوچھئے

نظمات اور غزلیات

زندگی ایک خواب پیہم ہے

دل پریشاں آنکھ پرنم ہے
انگبین نشاط بھی سم ہے

جب کھلی آنکھ تب ہوا معلوم
زندگی ایک خواب مبہم ہے

ذکر فردوس جانفزا ہے مگر
جانگسل کائنات کا غم ہے

ذرہ ذرہ ہے راز سر بستہ
کون دانائے راز و محرم ہے

ہیں ثبات و قرار موت کے نام
زندگی انقلاب پیہم ہے

اپنا دل ہی نہیں اداس اداس
آج رنگ شفق بھی مدھم ہے

آب جنت ہے اشک غم گاہے
گاہ یہ آتش جہنم ہے

درد سوغات عشق تھا لیکن
آج اس کی کسک بھی کچھ کم ہے

چاندنی ، بوئے گل ، ہوائے بہار
کیا جنوں خیز آج موسم ہے

دہر کی وسعتیں معاذاللہ
ذرہ ذرہ میں ایک عالم ہے

❁

مہمیز

جہاں تیرہ و تاریک میں ماہ مبیں ہو جا
کتاب زندگی میں ایک حرف دل نشیں ہو جا

فزوں کرنا ہیں تجھ کو حسن کی رعنائیاں ہمدم
تبسم بن نہیں سکتا اگر چیں جبیں ہو جا

مریض دہر کے منہ کا مزا تجھ کو بدلنا ہے
ہلاہل پی نہیں سکتی ہے دنیا انگبیں ہو جا

تجھے تخم محبت سے نئے پودے اگانا ہیں
جلا دے خرمن تہذیب برق آتشیں ہو جا

بدل دے پیر فرتوت فلک کی فتنہ پردازی
شہابی پھول برسیں روز وہ چرخ بریں ہو جا

بساط قلب پر ہر روز تازہ انقلاب آئے
قدم سے لیکے سر تک زلزلوں کی سرزمیں ہو جا

جہاں میں اہل دل کچھ سوچ کر منت کش غم ہیں
خدا تجھ کو اگر توفیق دے اندوہ گیں ہو جا

شک و شبہات رہبر ہیں گزرگاہ تجسّس میں
نہ ہو گر جرأت تشکیک محتاج یقیں ہو جا

غزل

نہال کے سر جھکے ہوئے ہیں گلوں کے چہرے ستے ہوئے ہیں
میاں گلزار ہم صفیرو یہ کیسا غنچہ چٹک رہا ہے

وہی تو درماں درد دل ہے اسی کا چہرہ بھی مضمحل ہے
جو روز اول سے قلب قدرت میں خار انساں کھٹک رہا ہے

جنوں کی گل پوش وادیوں میں یہ کارواں کب پہنچ سکے گا
ابھی خرد ہی کی شاہراہوں پہ ذہن انساں بھٹک رہا ہے

کسے خبر کون سی گھڑی وہ سرشتہ زیست کاٹ ڈالے
جو روز و شب کا برہنہ خنجر ہر ایک سر پہ ٹلک رہا ہے

'مختاری' کا تو ذکر ہی کیا!

جیون کی اندھیری راتوں کا ، ہم کوئی مداوا کر نہ سکے
اس چاند سروپی کو پا کر بھی ، ان میں اجالا کر نہ سکے

لاکھوں سندر سپنوں کی مورت من کے مندر میں رکھ لیں
مہلت نہ ملی ، حسرت ہی رہی ، ہم ان کی پوجا کر نہ سکے

جب انسانوں کے ہاتھوں سے ، انسانوں کی ذلت دیکھی
جس سر کو اٹھائے پھرتے تھے ، اس سر کو اونچا کر نہ سکے

جب اوروں کو بہتے دیکھا ، خود بھی دریا میں کود پڑے
ہم ساحل پر بیدردی سے ، طوفاں کا نظارہ کر نہ سکے

تعزیریں تھیں ، زنجیریں تھیں ، تخیل و عمل پر پہرا تھا
جو سوچا بے بنیاد رہا ، جو کرنا چاہا کر نہ سکے

مختاری کا تو ذکر ہی کیا ، مجبوری کا یہ عالم ہے
جو زخم کیا تھا خود پیدا ، اس زخم کو اچھا کر نہ سکے

رنگینیِ عالم کی خاطر ، اے دوست گوارا کیا نہ کیا
پر خون جگر پانی ہی رہا ، رنگینی پیدا کر نہ سکے

مقراض حقیقت نے جس دم ، تخیل کے پیکر کاٹ دیئے
زندانِ آب و گل میں رہے ، اڑنے کی تمنا کر نہ سکے

مشاطگیِ زلف دوراں کا ، سر میں ایسا سودا تھا
دل جمعی کی خاطر بھی خیال طرۂ لیلیٰ کر نہ سکے

غزل

جہاں میں جو اہل دل کو کرنا ہے وہ اسے برملا کریں گے
ہنسی کا کیا ہے عوام یونہی ہنسا کئے ہیں ہنسا کریں گے

سموم حرماں ہزار تاریکیوں کو اپنے جلو میں لائے
ہمارے پہلو میں آرزو کے چراغ یونہی جلا کریں گے

جو لوگ وہم و گمان و تخیل کی شفق میں نہا رہے ہیں
حقیقتوں سے یونہی ہمیشہ وہ سب کنارہ کیا کریں گے

رہے یہ دیوانگی سلامت رہے یہ جوش جنون باقی
خرد کی باتوں پہ خندہ زن ہو کے اپنے دل کی کیا کریں گے

رفو گرانِ نظام کہنہ سے کوئی جاکر ذرا یہ پوچھے
ہے دامن زیست پارہ پارہ اسے کہاں تک سیا کریں گے

دعا ہے کیا بے نوائی و بے بسی کا اک بولتا فسانہ
نہیں جنہیں اعتماد خود پر وہی ہمیشہ دعا کریں گے

اگر تمنائے رستگاری ہے فکر نوش و خورش نہ کرنا
کہ دام زر کو بچھا کے صیاد آب و دانہ دیا کریں گے

بساط پر بادشاہ جب ہے کبھی تو پیادے کی زد پڑے گی
بھلا کہاں تک یہ فیل و فرزیں اسی کو گھیرے رہا کریں گے

پگھلتا جائے گا وقت کی تیز لو سے تیری خوشی کا لوہا
ہماری مژگاں سے گوہر اشک رفتہ رفتہ لٹا کریں گے

غزل

نوحۂ غم سہی کان میں کچھ تو گونجے
شادیانے نہ سہی نغمۂ شادی نہ سہی

گر نہیں پھول تو کانٹوں ہی سے دامن الجھے
قلب میں ایک خلش سی ہو تسلی نہ سہی

کسی عنوان بنوں محرم راز دنیا
کرسی و عرش تلک میری رسائی نہ سہی

کسی اسلوب مجھے غم ہی گوارہ ہو جائے
عیش کی آب و ہوا راس نہ آئی نہ سہی

صبح اور شام کسی وقت ٹھہر کر رہ جائے
دل کے رکتے ہوئے دریا میں روانی نہ سہی

کچھ نہیں اور تو پینے کو ہلاہل مل جائے
مے و مینا نہ سہی جام و گلابی نہ سہی

وہم کی بھول بھلیاں میں بھٹک کر رہ جاؤں
سامنے طور حقیقت کی تجلی نہ سہی

کفر کی چھاؤں میں آرام سے دم تو لے لوں
گر نہیں جادۂ ایمان کا راہی نہ سہی

اور یہ کچھ نہیں منظور تمہیں اے شب و روز
مجھ کو چھوڑ دو یونہی یہ بھی نہیں وہ بھی نہ سہی

غزل

بیداد و جور حسن کا شکوہ نہ کیجئے
اپنے مذاق درد کو رسوا نہ کیجئے

ناوک فگن کی نیم نگاہی کا واسطہ
بے چینی خلش کا مداوا نہ کیجئے

آنکھوں میں آکے قلب مرا خون ہو نہ جائے
عارض کو آنسوؤں سے بھگویا نہ کیجئے

یہ ہے غنیم خواب و خور و دشمن طرب
کم بخت دل کے ناز اٹھایا نہ کیجئے

حاصل نہ ہوگا کچھ بھی بجز یاس و بے دلی
دنیا کی بات بات میں الجھا نہ کیجئے

ہو جائے الجھنوں سے نہ عادت گریز کی
عالم کوئی خیال سے پیدا نہ کیجئے

ٹوٹے نہ دلفریبیء حسن جہاں فروز
ہر چیز کو قریب سے دیکھا نہ کیجئے

بے رنگیء حیات و غم دہر کی قسم
رنگینیء بہشت گوارا نہ کیجئے

غزل

شہر سونا ہو گیا ہے شہر یار آتا نہیں
کیوں تصور میں بھی وہ روئے نگار آتا نہیں

تیرے دل کو آ گئی ہے کون ویرانی پسند
غم غلط کرنے کو سوئے سبزہ زار آتا نہیں

کیا نظر آئے تن گیتی پہ زخموں کے گلاب
بھول کر بھی کیوں خیال لالہ زار آتا نہیں

طائر تخیل نے کی کونسی بستی پسند
کیوں عقاب فکر سوئے کوہسار آتا نہیں

سب کے سب کیا زردئ روئے خزاں پر مر مٹے
کیوں کوئی سودائی فصل بہار آتا نہیں

ذکر ماضی

کوئی کسی کی بات نہ پوچھے پہلے یہ آداب نہ تھا
جور و جفا تھی عام وفا کا شیوہ تو نایاب نہ تھا

آج ہے وہ اک زندہ حقیقت روز روشن کی صورت
کل تک سوتے جاگتے میں جس شے کا خیال و خواب نہ تھا

اس کی یہ حالت کردی ہے پیاس بجھانے والوں نے
ورنہ یہ الفت کا دریا اس درجے پایاب نہ تھا

جس میں ایک نہ اک پہلو سے تیرا ذکر خیر نہ ہو
میرے مصحف دل کے اندر حاشا ایسا باب نہ تھا

علم و حکمت کی منزل میں فکر و تشدد جب بھٹکے
ایسے دشت میں لا کر چھوڑا کوسوں جس میں آب نہ تھا

انسان نہیں ملتا

خرد کا دور ہے عشق جنوں ساماں نہیں ملتا
غمِ سود و زیاں سے بے خبر انساں نہیں ملتا

خذفِ بکھرے پڑے ہیں گوہر غلطاں نہیں ملتا
بہت ہندو مسلماں ہیں کوئی انساں نہیں ملتا

اندھیرا تیز ہوتا جارہا ہے سرد ہے محفل
کسی فانوس دل میں شعلہء رقصاں نہیں ملتا

کچھ ایسا قحط ہوتا جارہا ہے سرفروشوں کا
کہ ڈھونڈے سے اسیر گیسوئے پیچاں نہیں ملتا

روانی رک گئی انسانیت کے تیز دھارے کی
ہزاروں آب جو ہیں بحر بے پایاں نہیں ملتا

نہال افسردہ، گل آشفتہ، خوں روتی ہوئی کلیاں
گلستاں میں کہیں کوئی لب خنداں نہیں ملتا

غزل

جس طور سے جینا چاہا تھا اس طور سے ہم دم جی نہ سکا
اوروں کے گریباں سینا تھے اور اپنا گریباں سی نہ سکا

مے خانۂ دہر میں جب سب کو تلخابۂ غم پیتے دیکھا
امرت کے گھونٹ گراں گزرے اور زہر ہلاہل پی نہ سکا

مہلت کی اتنی نایابی اور وقت کی ایسی تیز روی
رونے کا موقع کیا ملتا جی کھول کے میں ہنس بھی نہ سکا

غزل

کون کہتا ہے کہ تو ہاتھ سے خنجر رکھ دے
دل جدا کر کے مرے قلب میں پتھر رکھ دے

کاٹ لے مزرع گردوں کے ستارے سارے
شہر ظلمات میں جا کر انہیں گھر گھر رکھ دے

رفع باطل کے لئے حق کی حمایت کے لئے
کون ہے تیغ کی زد پر جو بھرا گھر رکھ دے

مہر مصلوب ہوا اب یہ ضیا کیسی ہے
اپنی قندیل بجھا کر مہ و اختر رکھ دے

تشنگی میری علامت ہے زمانے بھر کی
میرے کوزے میں کوئی سات سمندر رکھ دے

یوں مرے دل نے بنائی تری صورت جیسے
ڈھال کر موم کی مریم کوئی باہر رکھ دے

سر پھرا کوئی ترے شہر میں آئے نہ کبھی
میرا سر کاٹ کے دروازے کے اوپر رکھ دے

ملک گیری کی ہوس کا نظر آئے انجام
آئینہ ہاتھ سے گرا پنے سکندر رکھ دے

مرتے مرتے بھی کیا جائے گا باطل سے جہاد
جیتے جی کیسے قلم ہاتھ سے باقرؔ رکھ دے

چاند سے

تیرا چہرہ کیوں نظر آتا ہے یوں اترا ہوا
کرتے کرتے کیا سفر تو تھک گیا ہے سچ بتا

تیری صورت کیوں نظر آتی ہے اتنی مضمحل
کیا نہیں ایسا کوئی جس سے کہے تو دردِ دل

ان ستاروں میں بھی کوئی ہم زباں تیرا نہیں
مونس و ہمدرد کوئی مہرباں تیرا نہیں

میری صورت کوئی بھی اصلا نہیں ہے تیرے پاس
میں زمیں پر ہوں اکیلا تو فلک پر ہے اداس

صبح ہونے کو ہے ہوگا ختم اب تیرا سفر
دیکھ کب ملتا ہے مجھ کو زندگانی سے مفر

وقت

سست رفتاری عیاں ہے وقت کی اس کے لئے
جو کسی مہرو سے ملنے کی تمنا میں جیے

وقت کی رفتار اس کے واسطے اک سیل تیز
رخ ہراس و خوف سے جس کا ہو میدان ستیز

وقت اس کے واسطے چلتی ہوئی تلوار ہے
جسکے احساسات کے پہلو میں نوک خار ہے

وقت اس کے واسطے اک لکۂ ابر رواں
ہے جو شعر و شاعر و نغمات کے بل پر جواں

وقت کی لو اسکے آگے جیسے آندھی میں چراغ
ہو مئے الفت سے روشن جس کے سینے کا ایاغ

غزل

کون ہوتا ہے بھلا سوختہ سامانوں کا
ایک اللہ نگہبان ہے بس جانوں کا

آرزو پھولنے پھلنے نہیں پائی کوئی
حوصلہ پست ہوا جاتا ہے ارمانوں کا

لیلیٰء زیست ہے شہروں میں مقید اتنی
خواب تک دیکھ نہیں سکتی ہے میدانوں کا

تیرے ہوتے ہوئے بھوکے رہیں پیاسے مر جائیں
داورا کیا یہی مقسوم ہے انسانوں کا

داستاں دشت نوردوں کی سناؤ کوئی
قصہ کوتاہ کرو گل کا گلستانوں کا

کیا تعجب کہ وہ خال رخ زیبا بن جائے
رخ گیتی پہ جو دھبہ ہے بیابانوں کا

غزل

انہیں کی بات رہ گئی جو اپنی بات پر اڑے
وہی بلند ہوگئے کہ جن کے پاؤں تھے گڑے

وفا کی راہ دیکھنے میں راہ مستقیم ہے
مگر بھٹک کے رہ گئے ہیں راہ میں بڑے بڑے

قدم جو راہ عشق میں دھرے وہ پہلے سوچ لے
کہ منزلیں بہت کٹھن ہیں کوس ہیں بہت کڑے

سپر خرد کی لے کے آؤ کارزار زیست میں
جو سرخ رُو ہیں صرف دل کی تیغ نے کہاں لڑے

محبت و وفا کا ذکر تھا تو اپنے دل سے تھا
یہ آپ خواہ مخواہ مجھ سے کس لئے الجھ پڑے

وہ بونڈلا چلا کہ خار و خس کو اوج مل گیا
جو پھول جان گلستاں تھے گر کے گھور پر سڑے

یہ سوچتا ہوں کیوں نہ ڈوب جاؤں بحر یاس میں
کہ تھک گیا ہوں ساحل امید پر کھڑے کھڑے

غزل

چنگاریاں ہیں پھول تو مجمد ہے شاخ گل
دھکا ہو ہے آگ سے گلشن ترے بغیر

رقاصہء چمن کا مہکتا نہیں لباس
کلیاں بنیں شمیم کا مدفن ترے بغیر

یا بج رہی تھیں عرش پہ کل رات چوڑیاں
یا توڑ ڈالا ماہ نے کنگن ترے بغیر

کل تک اسیر گیسوئے لطف و نشاط تھا
ہوتی ہے دل میں آج تو الجھن ترے بغیر

چھالے ہیں پائے رقص میں نغمے کا دل اداس
محفل میں لطف ہی نہیں ساجن ترے بغیر

اب وہ دیار حسن کے چرچے نہیں رہے
سوئی پڑی ہے وادیء ایمن ترے بغیر

ہر سانس تیری یاد سے بوجھل ہے اے ندیم
بھیگا ہوا ہے اشک سے دامن ترے بغیر

غزل

ارادے دل میں کہاں ہیں قدم اٹھانے کے
یہ آبلے تو بہانے ہیں بیٹھ جانے کے

قفس کے دور مصیبت کی یاد آتی ہے
بیان کیا کریں حالات آشیانے کے

جو شہسوار ہیں وہ کب کسی شمار میں ہیں
جو باکمال ہیں وہ فخر تھے زمانے کے

زمانہ دیکھ کے شیطان ہو گیا تائب
بشر پہ چھوڑ دیئے کام ورغلانے کے

نقاب الٹ کے رخ آفتاب کیا دیکھیں
حقیقتوں سے جو عادی ہیں منہ چھپانے کے

گھٹائیں جھوم کے اٹھیں تو دل امنڈ آیا
یہ ابر و باد بھی سامان ہیں رلانے کے

چلو کہ پوچھ لیں باقرؔ سے اس کا حل کیا ہے
وہ آدمی نظر آتے ہیں کچھ ٹھکانے کے

اداس

صبح ہونے کو تھی اور چھایا ہوا تھا ابر سا
تھی فضا کچھ مضمحل رک رک کے چلتی تھی ہوا

چند تارے رہ گئے تھے رات کی آغوش میں
جیسے موتی سے چمکتے ہوں کسی کے گوش میں

اک سکوں تھا موت کا سا ہر در و دیوار پر
گفتگو کی تیز خاموشی نے توڑی تھی کمر

سبزہ کمہلایا ہوا تھا ، چاندنی تھی زرد سی
گلِ گریباں چاک ، مرجھائی ہوئی سی ہر کلی

دور اک دریا تھا جیسے آنسوؤں کا کارواں
اضطراب و درد کی تصویر غم کا رازداں

غم افق کا چھلکا جاتا تھا شراب سرخ سے
دل میں کروٹ لے رہے تھے خوں شدہ سب ولولے

مختصر یہ ہے کہ ساری انجمن بے نور تھی
جام عشرت سرنگوں مینائے راحت چور تھی

غنچہ دل کو میں دیتا شعر کا آب حیات
جارہا تھا محو کرتا غم کے سارے واقعات

پھر بھی دل کا غنچہء پژمردہ کھلتا ہی نہ تھا
اور میرا جی کسی صورت بہلتا ہی نہ تھا

غزل

چمن میں ایک شاخِ گل سے دیکھیں کیا نکلتا ہے
ابھی سے قلب میں غنچے کے اک شعلہ دہکتا ہے

دل برباد اپنا اس تصور سے بہلتا ہے
کہ ہر تخریب سے تعمیر کا پہلو نکلتا ہے

محبت کا تقاضہ ایک تابندہ حقیقت ہے
بھلا کوہِ حقیقت بھی کہیں ٹالے سے ٹلتا ہے

وفا کی ، مہر کی ، اخلاص کی باتیں کیے جاؤ
دلِ وحشی ان آثار قدیمہ سے بہلتا ہے

دیار عشق میں نقد وفا لے کر چلے جانا
یہی تو ایک سکہ ہے جو اس بستی میں چلتا ہے

کچھ ایسی خاک کے ذروں نے پائی ہے توانائی
ستارے کانپتے ہیں آسماں کا دل دہلتا ہے

ضرورت وقت

غزلوں کے سنانے کا یہ ہنگام نہیں ہے
ہے جنگ کا میدان رجز یاد دلا دے

مینا کی نہ حاجت ہے نہ بادہ کی ضرورت
آب دم شمشیر سے اب پیاس بجھا دے

اب ساز سے مطلب ہے نہ نغمہ سے کوئی ربط
جنگاہ میں تلوار کی جھنکار سنا دے

ہے چہرۂ دنیا پہ گناہوں کا پسینہ
للّٰہ اسے تیغ کے دامن کی ہوا دے

آتا ہے نیا دور بدل جائے گی دنیا
سوئے امیدوں کو غریبوں کو جگا دے

افسانۂ ماضی کو نہ کر یاد خدارا
اب حال کی دکھتی ہوئی باتوں سے مزا دے

آرائش و تزئین کا یہ وقت نہیں ہے
اب سر سے کفن باندھ کے ہتھیار سجا دے

سلجھائے گا الجھے ہوئے بالوں کو کہاں تک
اب دہر کی بگڑی ہوئی زلفوں کو بنا دے

اب شمع شبستاں نہ جلا بزم طرب میں
اس پر جو مصر ہوں انہیں محفل سے اٹھا دے

عورت کا جو ہو ذکر تو بڑھ جاتی ہے الجھن
اب موت کی دیوی کو کلیجے سے لگا دے

یخ بستہ جو الفاظ ہیں حاجت نہیں ان کی
اب آتش الفاظ سے اک آگ لگا دے

غزل

ہمارا خون جگر نہیں ہے تو رنگِ رخسار یار کیا ہے
بہار کا یہ لہو نہیں ہے تو سرخیٔ شاخسار کیا ہے

ہیں رامش و رنگ ، شعر و شاہد تمام آسودگی کی باتیں
جو تشنہ لب ہیں وہ نابلد ہیں کہ یار کیا ہے بہار کیا ہے

حریم لفت میں پیش قدمی بجز دلیل ہوس نہیں ہے
زباں روکو ، ادب سے بیٹھو مطالبہ بار بار کیا ہے

کسے خبر کتنے کاروانوں کو رہنماؤں نے مل کے لوٹا
مسافرو اب تمہیں کہو رہنماؤں کا اعتبار کیا ہے

چمن میں سیلاب رنگ و بو تھا کہ ایک کانٹے نے سر اٹھا کر
مودبانہ یہ گل سے پوچھا یہ فیض ابر بہار کیا ہے

جو دانے دانے کو قطرہ قطرہ کو اس جہاں میں ترس رہے ہیں
وہ سوچتے ہوں گے رب عالم ہے کون پروردگار کیا ہے

چمن میں روٹھی ہوئی بہاروں کو لائے جا کر کسی بہانے
بہار ماضی کا تذکرہ کر کے باغباں اشکبار کیا ہے

اجل ہے عادل ، عدالت زیست داد گستر نہیں تو کیا غم
قضا نے کب امتیاز برتا ہے ، کون پیدل سوار کیا ہے

شاما

جب صبح کو شاما بولتی ہے
نغمے اس طرح تولتی ہے

جس طرح فراز شاخ گل سے
گل برگ ہوا سے ٹوٹ جائے

اور ٹوٹ کے یوں زمیں پہ جائے
تتلی جیسے چمن میں جائے

یا جیسے سحر کو غنچہ تر
کھلتا جائے نسیم پا کر

خوشبو اس کی نکل کر
کر دے ساری فضا معطر

آنکھوں میں جیسے نیند آجائے
دل پہ ان کا خیال چھا جائے

تاریکئ شب میں جس طرح سے
شبنم دامن گل بھگو دے

تاروں کی روشنی میں جیسے
اک ماہ جبیں کی یاد آئے

سوتے میں جس طرح گجر دم
آواز موذن آئے کم کم

غزل

بنے ہوئے ہیں کسی کے گلے کا ہار سے ہم
کسی کے دل میں کھٹکتے ہیں نوک خار سے ہم

ہماری ان کی برابر کی چوٹ چلتی ہے
خفا ہے یار جو ہم سے خفا ہیں یار سے ہم

یہی ہی دل کا تقاضہ کہ پھر وہیں چلیئے
ابھی تو آئے ہیں واپس ترے دیار سے ہیں

ہمارا بال بھی دشمن نہ کرسکے بیکا
پنپ سکے نہ مگر دوستی کے وار سے ہم

یہ دیکھنا ہے کہ میدان کون لیتا ہے
ستیزہ کار ہیں غم ہائے روزگار سے ہم

کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ماجرا ہے
پکارتے رہے ہر چند اوج دار سے ہم

گلوں سے آتی ہے قاتل کی بوئے پیراہن
یہ ہے بہار تو باز آئے اس بہار سے ہم

برہا کے دن

برہا کے پربت جیسے دن دیکھوں کیسے کٹتے ہیں
ساجن تیرے نام کی مالا آٹھ پہر ہم جپتے ہیں

پیت نگر میں پریم ہوائیں ٹھنڈی آہیں بھرتی ہیں
آشائیں ہر دے کے بھیتر پل جیتی پل مرتی ہیں

سانجھ سویرے پچھّم پورب کوئی پھول لٹاتا ہے
من کی پھلواری کا مالی ایسے میں یاد آتا ہے

سکھیوں سے ملتی جلتی ہوں من کا بھید چھپاتی ہوں
آنکھوں میں کھجلی ہوتی ہے جب آنسو پی جاتی ہوں

ناگن جیسی کالی کالی بدلی مجھ کو ڈستی ہے
پانی کی ایک اک بوند سے برچھی دل پر لگتی ہے

نیم کے ہریالے پیڑوں میں جھولے ڈالے جاتے ہیں
پینگ بڑھائے جاتے ہیں ارمان نکالے جاتے ہیں

ڈھول کے اوپر میٹھے ساون گائے جاتے ہیں
گیت کے سندر بول مجھے کیوں آخر کھائے جاتے ہیں

گھر گھر دھومیں مچتی ہیں کیا جانوں کیا کیا پکا ہے
میرا گھر ویران پڑا ہے میرا چولہا ٹھنڈا ہے

برہا کے پربت جیسے دن دیکھوں کیسے کٹتے ہیں

غمِ دوراں

وہ بدنصیب جو رازِ حیات پا نہ سکے
خوشی میں رو نہ سکے غم سے مسکرا نہ سکے

زمانہ سجدہ طلب اور سخت کافر ہم
تمہارے در کے سوا سر کہیں جھکا نہ سکے

ہزار بات نکالے نئے مسائل نے
بڑے جتن کئے دامانِ دل بچا نہ سکے

برا ہو ایسی حقیقت پسند فطرت کا
کہ آدمی کبھی کوئی فریب کھا نہ سکے

ہمیں یہ فکر کہ ہر خار پھول بن جائے
چمن کو ضد ہے کوئی پھول مسکرا نہ سکے

یہ غم ہے برق نے سارا چمن جلا ڈالا
یہ غم نہیں ہے نشیمن کو ہم بچا نہ سکے

رگوں میں رینگنے پائے نہ زہر نخوت کا
کچل دے سانپ کو ایسا کہ سر اٹھا نہ سکے

درخت سایہ دار

میں نے ویراں کھیت دیکھے راستے میں بے شمار
یکہ و تنہا تھا ان میں اک درخت سایہ دار

پیڑ یوں سرسبز تھا جیسے نظام دہر میں
مفلسوں کا خون ناحق چوس کر سرمایہ دار

جیسے سوکھی جھاڑیوں میں موجہء باد شمال
بھولا بھٹکا اک مسافر درمیان رہ گزار

جیسے بارش کا تصور خار و خس کے قلب میں
دست عفریت خزاں میں جیسے دامان بہار

جیسے اک دہقان کی لڑکی دوپہر کو کھیت میں
اک رنگیں پھول جیسے درمیان خار زار

جیسے وقت شام صحرا میں مؤذن کی صدا
تھرتھراتی ، کانپتی ، لرزاں ، تڑپتی بے قرار

جس طرح سے ہجر کے مایوس و محزوں عہد میں
آنسوؤں کی ہلکی ہلکی دلنشیں ٹھنڈی پھوار

غزل

بشرط نیکی و عرفاں حیات جاوداں رکھ دی
ہمارے واسطے کیا سخت شرط امتحاں رکھ دی

نہ سوچا اب ہمارے بعد خوں سے کون سینچے گا
چمن والوں نے صحرا میں بنائے گلستاں رکھ دی

پیا پے وار کھائے ظلم کے جب تک رہے زندہ
ہوئے خاموش تو ہر زخم کے منہ میں زباں رکھ دی

ہوس کا عشق کا کھوٹے کھرے کا بھید کھل جائے
محبت نے وفا کی سخت شرط امتحاں رکھ دی

دم رخصت زباں سے ایک ہی فقرہ کہا لیکن
اس اک فقرے نے اک اک لفظ میں ایک داستاں رکھ دی

کسی صورت سمجھ میں جب نہ آئے کھیل قدرت کے
الٹ کر دستِ آدم نے بساط آسماں رکھ دی

بدل گیا

آنکھیں کھلیں نظام دل و جاں بدل گیا
دیکھا تمہیں حیات کا عنواں بدل گیا

کیوں ارتباطِ دست و گریباں بدل گیا
شاید مزاج وحشتِ انساں بدل گیا

اب پھر نئے سرے سے پڑھو درس زندگی
دانشورو نصاب دبستاں بدل گیا

دیکھا عروس دہر نے اس دلکشی کے ساتھ
دنیا کو ترک کرنے کا ارماں بدل گیا

انساں نے گرد و پیش کو بدلا مگر یہ کیا
بدلے جو گرد و پیش تو انساں بدل گیا

پھیلی ہے غم کدے کی سیاہی کہاں کہاں
کہتے ہیں رنگ شمع شبستاں بدل گیا

آغوش وا کئے ہوئے ساحل کو دیکھ کر
موجوں کا بھی تہیہء طوفاں بدل گیا

غزل

گردش افلاک بھی ہے دور پیمانہ بھی ہے
مے کشو دنیا کو اپنی راہ پر لانا بھی ہے

کیا گزرتی ہے محبت میں یہ بتلانا بھی ہے
خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے

جادۂ راہ بقا پر ہم کو چلنا ہی نہیں
دل شکستہ ساتھیوں کو ساتھ لے جانا بھی ہے

کیا عمل میرا نہیں میری محبت کا ثبوت
آدمی کے ناپنے کا اور پیمانہ بھی ہے

منزل دل تک پہنچنے کی خدا توفیق دے
راہِ پر آشوب میں کعبہ بھی بتخانہ بھی ہے

ہے محبت کا صحیفہ ایک الہامی کتاب
یہ سبق ہر دور میں انساں کو دہرانا بھی ہے

خم بھرے ہیں اور رندوں کو نہیں ملتی شراب
شاید اس سازش میں شامل میر میخانہ بھی ہے

اپنے دوست سے

ہم نشیں جب ہو فرازِ دل پہ خوشیوں کا نزول
قلب ہو شفاف جیسے گرمیوں کا آسماں

اپنی خوش بختی کا قصہ مجھ سے تو کہنا نہ بھول
اور ہنسنے دے مجھے بھی ساتھ اپنے بے گماں

آس کی باتیں جو مہمیز سمند عزم ہوں
کام ایسے جن کی دھن ہو تیرے دل میں سربسر

زرگری کس طرح کی مشہور کس صورت ہوا

کہہ سنا سب اور مجھ کو بھی شریک لطف کر
جب تو افسردہ ہو رنجیدہ ہو اور دل سرد ہو

رنج و غربت کی گھٹائیں چھا رہی ہوں قلب پر
ابر غم پر خندہ زن ہو ، کہہ وہ خواب دلنشیں

خواب کیا کچھ تیر منزل سے بھٹک کر بے اثر
کیا میں تیرا دوست ہر آرام و کلفت میں نہیں

امتحان دوستی کی اور کوئی صورت نہیں
اپنا ہم راہی بنالے خواہ منزل ہو کہیں

جب سیاہی رات کی نور سحر سے کانپ جائے
شمع آخر صرف دو اک ہچکیوں کا وقت پائے

یا جریدہ میں ہوں یا پھر دونوں ہوں گرم سفر
راہ الفت پر ازل سے جو ابد پیوند ہے

اس گھڑی تو اپنی چشم لطف مجھ پر ڈال کر
ہاتھ اس صورت ملا اخلاص کی جو دے خبر

روح پر جو کچھ بھی ہو اس کا نہیں ہے غم مجھے
صرف یہ خواہش ہے میری اس جگہ پاؤں تجھے

غزل

کیوں بھلا نظم جہاں درہم و برہم نہ رہے
رشتۂ مہر و محبت ہی جو محکم نہ رہے

کیا ستم ہے کہ مسرت بھی مسرت نہ رہی
میری کوشش تھی کہ دنیا میں کوئی غم نہ رہے

چاہتے ہو کہ زمانے سے محبت اٹھ جائے
زندگی جس میں ہے وہ شورش پیہم نہ رہے

زہر جتنا ہے مرے جام میں بھر دے ساقی
چاہتا ہوں کسی مینا میں کہیں سم نہ رہے

وقت کی بات ہے تکمیل کا موقع نہ ملا
دل کی دنیا میں ارادے تو کبھی کم نہ رہے

گردشِ وقت سے وہ رنگ طبیعت نہ رہا
دیکھنے میں تو وہی ہم ہیں مگر ہم نہ رہے

ہنسنے رونے کی ہے اس رسم تو جاری لیکن
لب خنداں نہ رہے دیدۂ پرنم نہ رہے

انساں بدل رہا ہے

پگھل پگھل کر نظام کہنہ جدید سانچوں میں ڈھل رہا ہے
عجیب رونق ہے روئے عالم پہ دل سے کانٹا نکل رہا ہے

مرض کی تشخیص اب ہوئی ہے ہزار صدیوں کے بعد جاکر
دوا موافق مزاج کے ہے مریض انساں سنبھل رہا ہے

وفور کیف و سرور ہوگا خمار دیرینہ دور ہوگا
مئے محبت کا قلب انساں میں ایک طوفاں ابل رہا ہے

چمن میں صحرا میں دشت ورد میں بہار کے لگ رہے ہیں ڈیرے
جدھر نظر ڈالئے ادھر رنگ و بو کا چشمہ ابل رہا ہے

یہ ہے تمنا کہ گوشے گوشے میں نور ہی نور پھیل جائے
افق پہ ہلکا سایہ اجالا اسی لئے آج کھل رہا ہے

قدم قدم پر جو سخت پہرے ہیں یہ بہت جلد دور ہوں گے
فشار زنداں میں قلب وحشی اسی بہانے بہل رہا ہے

نیا تقاضہ ، نیا جنوں ہے رفو گری کی ہے فکر سب کو
نہیں وہ آداب و رسمِ وحشت مزاج انساں بدل رہا ہے

غزل

پر تو ماہ و مہر کا اسپہ کوئی اثر نہیں
میری شب حیات کی دور تلک سحر نہیں

شعلہ فشاں نہیں رہا قلب میں کوئی ولولہ
راکھ کا ایک ڈھیر ہوں جس میں کوئی شرر نہیں

دشتِ نشاط و کوہِ غم دیکھیے کس طرح کٹے
راہ دراز زیست میں کوئی بھی ہم سفر نہیں

فیض بہار سے ہوئے گل بہ کنار خشک و تر
ابر بہار کا مگر مجھ پہ کوئی اثر نہیں

فرطِ طرب سے شاخ پر جھوم رہے ہیں چند پھول
دست خزاں قریب ہے اور انہیں خبر نہیں

بار حیات اٹھائے کون خضر کو آزمائے کون
راہ طلب کٹھن سہی حاجت راہبر نہیں

غزل

کاروانِ زندگی کی راہ میں منزل نہیں
کشتیٔ تحقیق و حکمت کے لئے ساحل نہیں

پڑ رہا ہے عکس رقصاں ہے ہر اک شے نور میں
جل رہا ہے اک دیا پہلو میں میرے دل نہیں

فکر فردا چھوڑ ذکر لطف ماضی ترک کر
کاوش امروز کا ان کے سوا قاتل نہیں

نوش کر صہبائے غم کو بھی مئے عشرت کے ساتھ
سرخوشی ہی صرف جام زیست کا حاصل نہیں

کیوں ترا دل برہمیِ دہر پر کڑھتا نہیں
ہم نفس کیا تیرے پہلو میں دھڑکتا دل نہیں

آ بتاؤں ہم نشیں اپنی کم آمیزی کا راز
آرزو رکھتا ہوں جس محفل کی وہ محفل نہیں

ناوکِ غم ہائے دوراں سے ملی کس کو نجات
عرصہ گاہِ دہر میں ہے کون جو بسمل نہیں

غزل

اس کا دنیا میں کیا سہارا ہو
جس کو خود اس کے دل نے مارا ہو

خار غم میں پھنسا ہے تار نفس
کس طرح زندگی کا یارا ہو

ہر طرف مفلسی و ناداری
کیوں نہ پہلو میں دل دو پارہ ہو

غم میں ڈوبی ہوئی ہے جب دنیا
پھر ہمیں کیوں خوشی گوارا ہو

خلعت زیست کیا گراں گزرے
جب لباسِ خرد اتارا ہو

ہم بھی چھلکائیں بادۂ عشرت
ذلتِ نفس اگر گوارا ہو

کیا حقیقت خسِ وجود کی جب
وقت کا تیز و تند دھارا ہو

غزل

کیا کبھی حقائق بھی ٹالنے سے ٹلتے ہیں
لاکھ کیجیۓ کوشش کب پہاڑ چلتے ہیں

پشت پر کوئی دیکھے ہولناک اندھیرا ہے
دور ہیں مگر آگے کچھ چراغ جلتے ہیں

جاکے باغ والوں سے کوئی اتنا کہہ آۓ
خار شوق سے سینچیں پھول کیوں مسلتے ہیں

پیر میکدہ خاموش سر جھکاۓ بیٹھا ہے
کیا ستم ظریفی ہے رند زہرا گلتے ہیں

یہ جمود کا عالم یہ سکوں یہ سناٹا
ایسی ہی فضاؤں میں انقلاب پلتے ہیں

سرد و گرم عالم میں چند سخت جاں پودے
برف کا لہو پی کر دھوپ کھا کے پھلتے ہیں

ہم ابھی تو صحرا سے گھر پلٹ کے آئے تھے
دل کا مشورہ لے کر گھر سے پھر نکلتے ہیں

ہم سے تشنہ کاموں کا یہ بڑا سہارا ہے
اک نہ ایک دن دریا راستہ بدلتے ہیں

غزل

شکوہ کوئی زباں پہ لایا نہیں ہنوز
جو زخم قلب میں ہے دکھایا نہیں ہنوز

راہ طلب کی آبلہ پائی گواہ ہے
دست سوال میں نے بڑھایا نہیں ہنوز

غنچے تمام زرد ہوئے دھوپ چڑھ گئی
جھونکا مگر نسیم کا آیا نہیں ہنوز

دامانِ قلب میں کوئی کانٹا الجھ نہ جائے
اک پھول بھی نگہ میں سمایا نہیں ہنوز

یہ رہروانِ جادہ لفت کریں گے کیا
راہِ درازِ عشق میں سایہ نہیں ہنوز

آنے کو یوں تو راہ ہے آتے ہیں سینکڑوں
ہے جس کا انتظار وہ آیا نہیں ہنوز

سادہ ہے میرے دل کا نگینہ ابھی تلک
خاتم پہ کوئی نقش بٹھایا نہیں ہنوز

غزل

حرم کا دیر کا نقشہ مری نگاہ میں ہے
سکونِ قلب و نظر تیری بارگاہ میں ہے

غمِ حیات سے اے دل پناہ کی صورت
نگاہِ یار کے اک تیرِ بے پناہ میں ہے

بروئے کار جو لائے تو شہر ہوں تعمیر
بسی ہوئی جو تمنا دلِ تباہ میں ہے

نہ سرگزار ہیں باقی نہ رہروانِ جنوں
نہ ہے کوئی سرِ منزل نہ کوئی راہ میں ہے

ہمارے حسنِ نظر کا یہ سب کرشمہ ہے
کشش کوئی نہ گلستاں نہ کوہ و کاہ میں ہے

خوشا نصیب جبین قمر کے دن جاگے
قدم کی چاپ سکوت فضائے ماہ میں ہے

اسی زمین پہ ڈھونڈو یہیں تلاش کرو
وہ کون چیز نہیں یاں جو مہر و ماہ میں ہے

یہ سوچتا ہوں کہ مشکوک ہو نہ خاموشی
میری فلاح فقط ان کی واہ واہ میں ہے

ہو بے گناہ کو کیوں کر امید داد رسی
کہ محتسب بھی یہاں زمرۂ گواہ میں ہے

جلا کے چھوڑے گی ظالم کے لاؤ لشکر کو
وہ ایک آہ جو مظلوم کی سپاہ میں ہے

افق پہ مصر کے اک روز جگمگائے گا
ابھی نہاں مہہ کنعاں غبار راہ میں ہے

وقت کی پرواز (انگریزی ماخوذ)

پھول جتنے چن سکے چن لے، کوئی پروا نہ کر
وقت کی پرواز میں آئے کمی ممکن نہیں

پھول جو گلشن میں آتے ہیں تروتازہ نظر
کل یہی ہو جائیں گے اے دوست پیوند زمیں

مشعل افلاک سورج جس کو کہتے ہیں سبھی
جتنی تیزی سے قدم رکھتا ہوا چلتا ہے یہ

اتنی ہی نزدیک آ جاتی ہے منزل شام کی
اور جھک کر شام سے اس دم گلے ملتا ہے یہ

زندگی کی ابتدا ہی خوب ہوتی ہے یہاں
یہ زمانہ کیا ہے جیسے گرمیوں کی چاندنی

جب یہ گرمی ہی نہیں پھر جوش وہ باقی کہاں
عمر کے آخیر حصے کی نقاہت دیدنی

غم نہ کر جو وقت ملتا ہے اسے ضائع نہ کر
زندگی تھوڑی سی ہے عیش وطرب میں کاٹ دے

یہ جوانی ، زندگی کا خواب ، جائے گی گزر
وقت الٹے پاؤں چلتا ہی نہیں یہ جان لے

فکر و نظر

پائے جد و جہد سے مشکل کو ٹھکراتا ہوں میں
ناخنِ تدبیر سے عقدوں کو سلجھاتا ہوں میں

راہبر ناپید ، رہ تاریک مشکل راستہ
پھر بھی منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہوں میں

حسنِ لیلیٰء طرب کا آنکھ کو بھاتا نہیں
محملِ غم کی طرف کس شوق سے جاتا ہوں میں

دل میں میرے کھل رہے ہیں رازِ عالم آج کل
ہر نفس ہر وقت اک شانِ دگر پاتا ہوں میں

شورش طوفاں بھی ہے تسکین دل میرے لئے
شورِ ابر و باد میں نغمے کی لے پاتا ہوں میں

دشت کی خاموش آوازیں بہ لحن دل نشیں
مجھ سے کچھ کہتی ہیں جس میں غرق ہوجاتا ہوں میں

فکر مجھ کو کچھ نہیں رہتی عروس حال کی
زلف مستقبل کو یوں شانوں پہ بکھراتا ہوں میں

تلوّن

گلستان جہاں میں ہوں کبھی میں خنکیء شبنم
کبھی شعلے کی صورت قلب ہستی میں بھڑکتا ہوں

کبھی وہ گل ہوں جو ہو باغباں کی آنکھ کا تارا
کبھی وہ خار ہوں جو چشم گلچیں میں کھٹکتا ہوں

کبھی اک آب جو ہوں خلفشار سیل سے عاری
کبھی بڑھتا ہوا طوفان ہوں اک تیز دھارا ہوں

کبھی وہ بحر ہوں جس کا کوئی ساحل نہیں ہوتا
کبھی موجوں کی زد پر ایک ٹوٹا سا کنارا ہوں

غبار کارواں میں گاہ آتی ہے نظر منزل
کبھی خود عینِ منزل ہو کے منزل سے بھٹکتا ہوں

کبھی ڈرتا ہوں لیتے سانس شیشہ گاہ عالم میں
کبھی آہِ رسا سے آسماں کو چیر سکتا ہوں

کبھی رہتا ہوں پہروں دم بخود غم ہائے پنہاں سے
شبستان طرب میں گاہ مثل صبح ہنستا ہوں

مسرت سے کبھی کرتا ہوں میں کام و دہن شیریں
کبھی افزونیء غم سے سراپا درد بنتا ہوں

سکوں سا گاہ ملتا ہے شب تاریک ہجراں میں
صباح عیش کے نزدیک گاہے غم کا تارا ہوں

بسا اوقات سر جھکتا نہیں اللہ کے آگے
کبھی ہر نقش پائے یار پر سر کو جھکاتا ہوں

کبھی اپنی حقارت پر مجھے خود شرم آتی ہے
کبھی سارے جہاں کا حکمراں معلوم ہوتا ہوں

کبھی جاہل کی صورت گھورتا ہوں روئے گیتی کو
کبھی دانائے عالم بن کے مہر و مہ کو تکتا ہوں

یہ ذوق معصیت اور شوق یہ شب زندہ داری کا
سمجھ ہی میں نہیں آتا میں شیطاں یا فرشتہ ہوں

دیگر

کریں گے کام وہ عاجز ہیں جس سے فرزانے
بسائیں گے نئی دنیا تمہارے دیوانے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ میکدے کا نظام
سبو ابلتے ہیں خالی پڑے ہیں میخانے

خزاں کا دور گیا موسم بہار آیا
بہار آئے گی آباد ہوں گے ویرانے

نہ انجمن میں بہلتا ہے دل نہ خلوت میں
کوئی بتائے کہاں جائیں دل کو بہلانے

شراب عیش سے منہ کا مزا خراب نہ کر
ابھی جہاں میں تجھے ہیں بہت سے غم کھانے

بہت سنبھال کے رکھنا ہے ذوق سجدہ کو
قدم قدم پہ ملیں گے یہاں صنم خانے

ہوائے امن سے گل کر دو جنگ کے شعلے
کہ اب تو ان سے لگی زندگی پہ آنچ آنے

غزل

عشق سرمایۂ ایماں نہ ہوا تھا سو ہوا
دلِ کافر جو مسلماں نہ ہوا تھا سو ہوا

موج خوں سر سے گزر جائے تو حیرت کیا ہے
خوں فشاں دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

نخل امید کا سایہ نہیں تاحد نظر
قلب ایسا کبھی ویراں نہ ہوا تھا سو ہوا

نہ محبت نہ مروت نہ حمیت نہ وفا
ننگ حیواں کبھی انساں نہ ہوا تھا سو ہوا

شکل تصویر ہیں چپ زمزمہ سنجانِ چمن
گلستاں شہر خموشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

وسعت قلب بہ اندازۂ محرومی ہے
غم جاناں غم دوراں نہ ہوا تھا سو ہوا

جس قدر رنج بڑھے اتنی ہی رنگت نکھری
جوہر صبر نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

دیگر

شوق آزادی میں شاخ بے ثمر ہوتی گئی
بلبل شوریدہ سر بے بال و پر ہوتی گئی

جس قدر دانائے رازِ خیر و شر ہوتی گئی
زندگانی اتنی ہی دشوار تر ہوتی گئی

اس طرح سے دعوتِ ذوقِ نظر ہوتی گئی
میری جانب وہ نگاہِ فتنہ گر ہوتی گئی

چھٹتے چھٹتے چھٹ گئیں وہم و گماں کی بدلیاں
ہوتے ہوتے ہر حقیقت جلوہ گر ہوتی گئی

میرے ان کے درمیاں جتنا بڑھ میل و ملاپ
گفتگو اتنی ہی اپنی مختصر ہوتی گئی

اتنے ہی میری طرف سے بے خبر ہوتے گئے
جتنی ان کو میری جانب سے خبر ہوتی گئی

گلشن ہستی میں فرق خار و گل بڑھتا گیا
چشم عالم رفتہ رفتہ بے بصر ہوتی گئی

الاماں فرقت کی گرمی الحذر ہجراں کی آگ
دل کچھ اس صورت سے پگھلا آنکھ تر ہوتی گئی

تم گئے کیا وقت کی گردش ٹھہر کر رہ گئی
گو بظاہر روز و شب شام و سحر ہوتی گئی

جو غم ہستی کو دل کی آنکھ سے دیکھا کیا
زندگی اس کے لئے دردِ جگر ہوتی گئی

عزم و ارادے

لیلیٰء عصر کی پوشاک بدلنا ہوگا
غمازۂ نو رخ کونین پہ ملنا ہوگا

دوزخ دہر کو گلزار بنانے کے لئے
اور کچھ روز ابھی آگ میں جلنا ہوگا

آبیاری کے لئے چشمہء شیریں بن کر
سختیء سینہء صحرا سے ابلنا ہوگا

شامل قافلہء اہل جنوں ہونے کو
مثلِ گل حجلہء گلبن سے نکلنا ہوگا

بحر ہستی کے تلاطم میں مثال گوہر
سایۂ دامن طوفان میں پلنا ہوگا

تا سر منزل مقصود پہنچنے کے لئے
آبلہ پا کو رہ خار پہ چلنا ہوگا

سننے والوں کو ذرا لطف نہیں آتا ہے
قصۂ زیست کا عنوان بدلنا ہوگا

مہرو ایثار و محبت کا سہارا لے کر
لڑکھڑاتی ہوئی دنیا کو سنبھلنا ہوگا

غزل

فضائے دل پر حسین مکھڑے کی کب تلک چاندنی رہے گی
نئی نویلی دلہن کی یہ چھب بتاؤ کب تک بنی رہے گی

یقین جب اس کا ہے کہ دل کا ایاغ خالی نہیں رہے گا
تو پھر بھلا احتمال کیوں ہے بغیر تیرے کمی رہے گی

یہ علم و دانش کا میکدہ ہے یہاں کا دستور ہی جدا ہے
یہاں ہزاروں سبو لٹا کر بھی اک عجب تشنگی رہے گی

ہوائے مہر و خلوص جب تک نہ آئے گی دشت زندگی میں
غبار و گرد عناد و نفرت دل و نظر پر جمی رہے گی

پہاڑ سی رات میں نوید سحر بھی وہم و خیال نکلی
گمان اب یہ ہے صبح محشر تلک شب زندگی رہے گی

بہار سے لو لگائے ہیں جب خزاں سے پھر دل ملول کیوں ہوں
مہیب تاریکیوں کے اندر بھی قلب میں روشنی رہے گی

جبین و سجدہ کا ربط باہم ازل سے ہے تا ابد رہے گا
خدا بدلتے رہیں طبیعت میں خواہش بندگی رہے گی

دیگر

نسیم صحن چمن کی تلاش میں ہے ابھی
غزال دشت ختن کی تلاش میں ہے ابھی

مثال مہر چمکنا ہے ہر حقیقت کو
زمانہ صاحب فن کی تلاش میں ہے ابھی

خرد نے ڈھونڈ لیا گوشہء فراغت کو
جنون دار و رسن کی تلاش میں ہے ابھی

قیام قافلہء گل رہے جہاں تادیر
بہار ایسے چمن کی تلاش میں ہے ابھی

دلِ غریب کو جس ارض پر سکون ملے
نگاہ ایسے وطن کی تلاش میں ہے ابھی

ملے تو کیسے ملے انبساط روحانی
ہر ایک عیشِ بدن کی تلاش میں ہے ابھی

نظامِ کہنہ کو ہونا ہے خاک کا پیوند
یہ زندہ لاش کفن کی تلاش میں ہے ابھی

دیگر

مزاج حضرت انسان کی قاہری نہ مٹی
نظام دہر سے رسم ستمگری نہ مٹی

قدم قدم پہ تجسّس نے ٹھوکریں کھائیں
کشور راز دوعالم کی تشنگی نہ مٹی

بشر نے نور سے معمور کر دیا عالم
خود اس کے دل کی نہ مٹنا تھی تیرگی نہ مٹی

غرور و کبر نے فرمان سرکشی لکھا
جبین عجز سے تحریر بندگی نہ مٹی

سنواری دست تمدن نے شکل انساں کی
طبیعتوں میں جو تھی وہ درندگی نہ مٹی

بھٹکتا پھرتا ہے جنگل میں کاروان حیات
ہزار راہ نما آئے گمرہی نہ مٹی

چار بار دیکھا ہے

(۱)

اس کو طفلی میں دیکھا تھا
اس دم اس کا کیا کہنا تھا
اس کی سکھیاں بالکل ایسی
جیسے پھول کے ہر سو پتی

(۲)

اس کو جوانی میں پھر دیکھا
دیکھا اور جی بھر کر دیکھا

وہ اس دم بالکل ایسی تھی
جیسے ہو جنگل کی ہرنی
اس کی باتیں جیسے نغمے
چہرہ جیسے سورج چمکے
ہر سو اس کے چاہنے والے
اور وہ خود بس ایک کو چاہے

(۳)

رفتہ رفتہ عرصہ گزرا
اور میں نے پھر اس کو دیکھا
غنچہ کھل کر پھول ہوا تھا
اور اس پھول میں پھل بھی لگا تھا

یعنی گود میں اک بچہ تھا
افسانہ کتنا سچا تھا

اب وہ پہلے سے دلکش تھی
بادۂ الفت کی میکش تھی

(۴)

ایک دفعہ پھر اس کو دیکھا
یہ ابدی راحت کا دن تھا
اس کے چاروں سمت اجالا
طور پہ جیسے برق تجلی
اس دن وہ ہر دن سے حسیں تھی
حور کی صورت خلد نشیں تھی

پھر آگیا

بے وفاؤ پیکر مہر و وفا پھر آگیا
بے نواؤ گنج و کنزِ بے بہا پھر آگیا

پڑ رہی تھی قہر کی گرمی بلا کا حبس تھا
کوئی لیکن بن کے ساون کی گھٹا پھر آگیا

سانس لینے کو ترستے تھے فضا مسموم تھی
تیرے دم سے سانس لینے کا مزا پھر آگیا

گونج اٹھے گا چمن پھر چہچہوں سے ایک بار
گلستاں میں عندلیب خوش نوا پھر آگیا

چاندنی راتیں پلٹ آئیں اندھیرے دن گئے
ماہ تاباں نور برساتا ہوا پھر آگیا

پھر ہوا فضل الٰہی پھر چلی باد بہار
ڈوبتی کشتی بچانے ناخدا پھر آگیا

شہر خوابیدہ میں مردوں کو جلانے کے لئے
اک مسیحا بن کے وہ نفس خدا پھر آگیا

رہنمائی کے لئے اب وادیٔ پرخار میں
جو سراپا دل ہے وہ سیماب پا پھر آگیا

ایک رند خوش صفات اور ایک مرد پاکباز
مے کدے میں جھومتا گاتا ہوا پھر آگیا

جسکے در سے ہونگے سارے دوست و دشمن فیضیاب
ہاں وہی شہزادۂ بذل و عطا پھر آگیا

مرد آہن ہے مگر رکھتا ہے اک قلب رفیق
امتزاج موم و آہن برملا پھر آگیا

وار جس کا پر اثر ہے جس کا لوہا تیز ہے
وہ سر میدان بے خوف و رجا پھر آگیا

بڑھ گئی تھیں مشکلیں مشکل کشا کوئی نہ تھا
بے سہاروں کے لئے اک آسرا پھر آگیا

کیا چلیں گے چال عیاری کی روباہ و شغال
جب وہ شیر بیشہء صدق و صفا پھر آگیا

قافلہ سالار تیرے ساتھ کچھ رہزن بھی ہیں
قافلے کو چھانٹنے کا مرحلہ پھر آگیا

مطمئن رہتا ہے دل جس شخص کی تحویل میں
دلدہی کے واسطے وہ دلربا پھر آگیا

غزل

گو اہلِ دل کی ہر کوشش بن بن کے بگڑتی جاتی ہے
تابوتِ عقل و خرد میں لیکن کیلیں جڑتی جاتی ہے

کلیاں ہیں کہ کھلتی جاتی ہیں شمعیں ہیں کہ بجھتی جاتی ہیں
اک محفل رنگ جماتی ہے اک بزم اجڑتی جاتی ہے

اک پودا ہوتا جاتا ہے افلاس کی دھوپ میں بالیدہ
اور کشتِ تمدن آبِ زر میں گلتی سڑتی جاتی ہے

انجام نہ جانے کیا ہوگا آثار بگڑتے جاتے ہیں
ساحل کا نشاں ملتا ہی نہیں اور سانس اکھڑتی جاتی ہے

تقدیر لرزتی رہتی ہے تدبیر کی ضرب پیہم سے
انسان کی فطرت باغی ہے قدرت سے لڑتی جاتی ہے

بھونچال کی لہریں آپہنچیں تعمیر تمدن کی زد پر
دیواریں گرتی جاتی ہیں بنیاد اکھڑتی جاتی ہے

دل ہوتا جاتا ہے ہر لمحہ لطف و کرم سے بیگانہ
اور رفتہ رفتہ غم سہنے کی عادت پڑتی جاتی ہے

نومیدی کا ظالم تیشہ مائل ہے گو بربادی پر
امید مگر مر مر کے کھلونے پیہم گھڑتی جاتی ہے!

غزل

جس کسی کے دل میں دائم تشنگی ہوتی نہیں
زندگی اس کی مکمل زندگی ہوتی نہیں

ایسی وحشتناک تاریکی کا آخر کیا علاج
دل میں شمع حسن سے بھی روشن ہوتی نہیں

زردیٔ روئے دوعالم کا کھنچا آتا ہے عکس
وقف یاد روئے روشن چاندنی ہوتی نہیں

واقفیت جستجو کی اور بھڑکاتی ہے آگ
باعث تسکین خاطر آگہی ہوتی نہیں

عشق کرتا ہے حدیث دل میں بھی اب قیل و قال
حسن کی پہلی سی وہ پیغمبری ہوتی نہیں

جزائے دل

جب فضا میں کانپ اٹھتا ہے کوئی گلبرگ تر
دل پہ میرے چوٹ سی لگتی ہے اس کو دیکھ کر

آب دریا آئینہ بنتا ہے جب وقت سحر
دل میں جو طوفان اٹھتا ہے کسی کو کیا خبر

جب پپیہا چیخ اٹھتا ہے شب مہتاب میں
دل میں میرے ہوک سی اٹھتی ہے اس کو ہوک پر

غزل

اک پھول کا دامن سی نہ سکے تنظیم گلستاں کیا کرتے
اک ذرہ کو تسکین نہ ہوئی سیراب بیاباں کیا کرتے

جب شام غم میں انساں کی قسمت کا ستارہ ڈوب گیا
پھر ہم شب گیسوئے مشکیں نذر رخ جاناں کیا کرتے

سب دوست اسیر دام محن تھے ہمدم سارے وقف ستم
ہم اپنی تنہا خوش حالی پر شکر یزداں کیا کرتے

ماتھے پہ عرق آنکھیں پرنم تھی جان بلب نوع انساں
پھر نزع کے اس عالم میں ہم عشرت کا ساماں کیا کرتے

کرنا تھے ہزاروں کام ہمیں اک رات میں عہد جوانی کی
اے جلوۂ جاناں نادم ہیں ہم صرف گلستاں کیا کرتے

آنکھوں میں گوہر اشک نہ تھے پہلو میں متاع درد نہ تھی
یہ سارے خزانے خالی تھے ہم نذر بہاراں کیا کرتے

غزل

نوع انساں کو تباہی سے بچا سکتے ہیں
ہم زمانے کو رہِ راست پہ لا سکتے ہیں

رہِ ہستی میں جو بے فیض ہیں مانند غبار
ابر رحمت کی طرح چرخ پہ چھا سکتے ہیں

گلشن دہر میں ہیں رنگ بریدہ لیکن
رخ کونیں پہ سوناسا چڑھا سکتے ہیں

آج جو مصلحتاً منہ کو سینے بیٹھے ہیں
کل وہ آفاق میں اک دھوم مچا سکتے ہیں

دور کرنے کے لئے پست و بلند ہستی
ہم تہ تیغ ، سرِ دار بھی جاسکتے ہیں

جن کی نظروں میں ہے مستقبل روشن کا سرور
نقد جاں تک وہ مسرت سے لٹا سکتے ہیں

بغض و نفرت سے یہ دنیا ہے جہنم بہ کنار
مہر و الفت اسے فردوس بنا سکتے ہیں

عزم بالجزم

اک نیا آدم بنائیں گے اس آب و گل سے ہم
کام لیں گے دودِ شمع کشتہء محفل سے ہم

ولولہ کہتا ہے طوفاں آزمائی چاہیئے
اس طرح دیکھا کرینگے کب تلک ساحل سے ہم

بڑھ رہا ہے کس طرح ہ کاروان زندگی
دور ہوتے جارہے ہیں ہر قدم منزل سے ہم

وادیء ادراک میں پھولے گا اب نخلِ حیات
خرمن ہستی سجالائے ہیں برق دل سے ہم

کھیل لاکھوں کھیلنا ہیں جب بساط دہر پر
کیوں نہ اک بازی لگاکر دیکھ لیں پھر دل سے ہم

جی میں آتا ہے الٹ دیں خود نقاب زندگی
اب بہت گھبرا گئے ہیں پردۂ حائل سے ہم

ہوگا کل دریوزہ گر ہم سے شعار زندگی
گو کھڑے ہیں آج باب زیست پر سائل سے ہم

حال و ماضی کے فسانے گو بہت دلدوز ہیں
پھر بھی امید طرب رکھتے ہیں مستقبل سے ہم

بھولے بسرے

ذہن کی لاحدود فضا میں نغمہ گھر کر لیتا ہے
وقت رسیلے بولوں کو جب افسانہ کر لیتا ہے

طائرِ نطق دہن سے چھٹ کر دامِ فضا میں رہتے ہیں
قلزمِ گردوں کی لہروں کے نرم تھپیڑے سہتے ہیں

صرفِ قبائے حس کی کلیاں اس لمحے کھل جاتی ہیں
لالہ و گل کی آرزوئیں جب مٹی میں مل جاتی ہیں

خیمۂ اشک ناکامی کی ساری طنابیں ٹوٹ گئیں
یاس کا چہرہ سوکھ گیا ارماں کی گرہیں ٹوٹ گئیں

میرے زانو پر سر رکھے سوتے تھے بیدار ہوئے
امیدوں کے خون جگر سے رنگ محل تیار ہوئے

قلب میں مشعل روشن کی ویرانۂ دل آباد کیا
اک مدت کے بعد تجھے ایدوست جو میں نے یاد کیا

قلب مطمئن

زمانہ ابن مریم بن کے ہے چارہ گری کرتا
مگر کچھ زخم اس چارہ گری کی حد سے باہر ہیں

دوا کوئی نہیں ہے دہر میں ٹوٹے ہوئے دل کی
جہاں میں زخم اطمینان ہرگز بھر نہیں سکتا

مثال سنگ خارا قلب قانع سرد رہتا ہے
تخیل عقل کے گوشوں میں ہے اک جال سا بنتا

فراز رخ کبھی ممنون ابر حس نہیں ہوتا
کبھی عہد گزشتہ خار بن کر دکھ نہیں دیتا

تبسم نے سکھایا ہے سبق عادات کو برسوں
اٹھا ہے نالہء وشیون مراسم کا عصا لے کر

سرور دل ہے لطف و غم کے زیر و بم سے بیگانہ
ہے دل مردہ کسی شے سے اثر پرور نہیں ہوتا